اس شمارے میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ ۲۵ روپے فی پرچہ ۲/۵۰ روپے

بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ۔ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے سفرِ آخرت کی تفصیلات

مکتوب مدینہ بنام مدیر الحق

آنکھوں دیکھا حال

از مدینہ منورہ علیٰ منورہا الف الف صلوٰۃ وسلام

المخدوم المکرم زادت معالیکم بعد سلام مسنون

کل یکم شعبان ۲۴ مئی بروز دوشنبہ شام پانچ بجکر چالیس منٹ پر یعنی مغرب سے ٹھیک ڈیڑھ گھنٹہ قبل حضرت اقدس قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ و اعلی اللہ مراتبہ کا وصال یہاں مدینہ منورہ میں ہوا۔ اسکی خبر تو بجلی کیطرح ساری دنیا میں پھیل گئی مگر ہر جگہ سے تفصیل کا مطالبہ ٹیلیفون پر برابر آرہا ہے۔ اس لئے یہ کچھ تفصیل لکھ رہا ہوں۔

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کی علالت کا سلسلہ تو کئی سال سے چل رہا تھا۔ ۱۲ مئی چارشنبہ سے قبل صحت نسبتاً اچھی تھی کھانا بھی نوش فرماتے تھے گفتگو بھی ٹھیک طرح سے فرماتے تھے۔ پوچھنے پر مشورہ بھی حسبِ سابق دیتے تھے۔ مولانا عاقل صاحب مسلم شریف کی تقریر کا جو علمی کام کر رہے ہیں۔ وہ روزانہ کا کام بعد عشاء حضرت کو سناتے حضرت غور سے سنتے اور ضروری مشورہ بھی دیتے تھے۔ گویا صحت اچھی تھی البتہ ضعف بہت تھا جسکی وجہ سے حرم شریف صرف ایک نماز کیلئے تشریف لے جاتے۔ شروع میں ظہر کی نماز میں اور پھر دھوپ میں تیزی ہوجانے کی وجہ سے عشاء کی نماز میں حرم شریف جانے کا معمول تھا۔ چارشنبہ ۱۲ مئی کو حضرت کو بخار ۱۰۲ ڈگری تک ہوگیا۔ علاج وغیرہ سے بخار تو اتر گیا۔ لیکن ضعف میں بہت اضافہ ہوگیا اور حرم شریف جانا چھوٹ گیا۔ استغراق زیادہ رہنے لگا۔

۱۴ مئی کو نمازِ جمعہ حرم شریف کی جماعت کیساتھ مدرسہ علوم شرعیہ کے صدر دروازہ میں ادا فرمائی جہاں تک حرم شریف کی صفوں کا اتصال رہتا ہے۔ بخار کے بعد سے کھانا تقریباً چھوٹ گیا، پینا کسی نہ کسی درجہ میں جاری رہا۔ جمعہ ۱۴ مئی سے روزانہ صبح شام گلوکوز وغیرہ کی بوتلیں رگ میں دی جاتی رہیں جسکا سلسلہ وصال کے دن تک جاری رہا۔ دیگر علاج انجکشن وغیرہ بھی دیتے جاتے رہے۔ شنبہ ۱۵ مئی کو آنکھوں اور پیشاب میں یرقان محسوس ہوا خون کا معائنہ کرایا گیا۔ جس سے جگر اور گردہ میں مرض معلوم ہوا۔ اور ان دونوں اعضا کے عمل میں خلل کا بھی پتہ چلا۔ یکشنبہ ۱۶ مئی کی شب میں نیم بے ہوشی تھی۔ دوسرے روز فجر سے مکمل بے ہوشی ہوگئی۔ اتوار کا سارا دن بے ہوشی میں گزرا۔ کہ جس کروٹ پر لٹایا جاتا اسی پر رہتے نہ آواز دیتے نہ حرکت نہ کھانسی وغیرہ۔

نبض اور بلڈ پریشر دیکھ کر اطمینان ہوتا کہ فوری خطرہ نہیں ہے۔ علاج وغیرہ مختلف تدبیریں ہوتی رہیں

کی شام کو بخاری شریف کا ختم کرایا گیا۔ جو اتوار، پیر دو روز میں ختم ہوا جس کے بعد صاحب زادہ طلحہ صاحب نے بہت الحاح کے ساتھ دعا کرائی۔

مکہ مکرمہ میں شیخ محمد علوی مالکی کے یہاں بھی یٰسین شریف کا ختم ہوا۔ دوشنبہ ۱۷ مئی کو بے ہوشی تو تھی لیکن کل جیسی نہیں تھی۔ بلکہ ہیجانی کیفیت تھی۔ صبح تو "اللہ اللہ" فرماتے رہے۔ ظہر کے بعد سے "یاکریم یاکریم" "یا" اوکریم کریم" فرماتے رہے کبھی کبھی "یاحلیم یاکریم" فرماتے رہے۔ یاکریم کی یہ آوازیں اخیر وقت تک وقتاً فوقتاً دیتے رہے۔ علاج کے سلسلہ میں یہ ناکارہ دیگر ڈاکٹروں سے بھی مشورہ کرتا رہا۔ بالخصوص ڈاکٹر سید اشرف صاحب۔ ڈاکٹر ایوب صاحب، ڈاکٹر سلطان صاحب۔ ڈاکٹر منصور صاحب اور ڈاکٹر عبدالاحد صاحب وغیرہ۔

خون وغیرہ کے معائنہ کے لئے ڈاکٹر انصرام صاحب بہت تعاون فرماتے رہے۔ منگل ۱۸ مئی کو بے ہوشی نہیں رہی اور گفتگو بھی فرماتے رہے۔ نمازیں بھی حسب معمول ادا فرماتے۔ البتہ گردہ اور جگر کا عمل برابر کمزور ہوتا گیا۔ خون، پیشاب کا معائنہ اور علاج و دیگر تدابیر ہوتی رہیں۔ غذا تقریباً بند تھی۔ رگ میں بوتلوں کے ذریعہ ہی غذا پانی، گلوکوز وغیرہ دیا جاتا رہا ۲۱ مئی کو نماز جمعہ حرم شریف کی جماعت کے ساتھ مدرسہ شرعیہ کے صدر دروازہ میں ادا فرمائی۔ اتوار ۲۳ مئی کی ظہر تک بظاہر طبیعت کچھ ٹھیک رہی۔ ۲۳ مئی کو بعد ظہر سوء تنفس کی تکلیف ہوئی جس کی فوری تدبیر کر لی گئی مغرب سے آدھ گھنٹہ قبل جب کہ یہ ناکارہ اپنے مطب میں تھا تو حضرت کے خادم مولوی نجیب اللہ نے ٹیلیفون پر بتایا کہ حضرت کی طبیعت خراب ہے۔ چنانچہ یہ ناکارہ فوراً حاضر ہوا تو دیکھا کہ سوء تنفس کی تکلیف بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے حضرت کو بے چینی ہے۔ سانس لینے میں بہت دقت محسوس ہو رہی تھی۔ بندہ نے معائنہ کر کے ضروری انجکشن جس کے چند منٹ بعد ہی سکون مل گیا۔ اور سانس طبعی حالت پر آ گیا۔

عشاء کے بعد بندہ کے گھر جانے تک طبیعت نسبتاً ٹھیک تھی۔ ۲۴ مئی فجر کے وقت بھی طبیعت نسبتاً ٹھیک تھی۔ اور حضرت گفتگو بھی تھوڑی تھوڑی فرماتے رہے۔ البتہ تشویش کی بات یہ پیش آئی۔ کہ کل ظہر کے بعد سے پیشاب بالکل نہیں آیا۔ صبح ۸ بجے دوبارہ سوء تنفس کی تکلیف شروع ہوئی۔ اس کے لئے اور پیشاب کے لئے تدبیریں کی جانے لگیں۔ جس سے ظہر و عصر کے درمیان پیشاب آ گیا۔ تنفس کے لئے انجکشن اور آکسیجن وغیرہ لگائے گئے۔ دوپہر تک بے چینی رہی کبھی فرماتے بٹھاؤ کبھی فرماتے لٹاؤ۔ کبھی فرماتے دوا لاؤ۔ وقتاً فوقتاً "یاکریم اوکریم" بھی بلند آواز سے فرماتے رہے۔

یہ ناکارہ چونکہ مسلسل پاس ہی بیٹھا رہا تو کبھی کبھی اس ناکارہ کا ہاتھ پکڑ کر زور سے دباتے۔ تقریباً گیارہ بجے جب کہ الحاج ابوالحسن نے تکیہ اونچا کیا تو بندہ کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ "ڈاکٹر صاحب ہیں" ابوالحسن نے کہا ہاں یہ ڈاکٹر اسمٰعیل ہیں" یہ سن کر بندہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

یہ آخری گفتگو تھی۔ جو حضرت نے فرمائی۔ اس کے بعد "یاکریم اوکریم" فرماتے رہے۔ ظہر تک یہی کیفیت رہی۔ ظہر کے

بعد سے مکمل سکون ہوگیا۔ جو آخر وقت تک رہا۔ یہ ناکارہ بار بار نبض اور بلڈ پریشر وغیرہ دیکھتا رہا۔ روح پرواز کرنے
سے کچھ قبل صاحب زادہ مولانا طلحہ صاحب نے بندہ سے پوچھا کہ کیا یہ آخری وقت ہے۔ بندہ نے اثبات میں سر ہلایا
تو انہوں نے بلند آواز سے اللہ اللہ کہنا شروع کردیا۔ اسی حال میں حضرت نے دو مرتبہ آخری ہچکیاں لیں جس سے آنکھیں خود
بخود بند ہوگئیں۔ اور روح پرواز کر گئی۔ اس وقت ٹھیک پانچ کر چالیس منٹ ہوئے تھے۔ یعنی مغرب سے ڈیڑھ گھنٹہ
قبل۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اجرنا فی مصیبتنا وعوضنا خیرا منہا للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شیٔ عندہ بمقدار۔ ان العین تدمع
والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقک یا شیخ لمحزونون۔

جس کی ساری عمر اتباع سنت میں گذری۔ اس کو تکوینی طور پر یہ اتباع بھی نصیب ہوگیا۔ کہ دوشنبہ کو عصر و مغرب کے
درمیان وصال ہوا۔ اس وقت جو حاضرین کا حال تھا وہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ وصال کے وقت پاس موجود رہنے والوں میں
صاحب زادہ محمد طلحہ صاحب۔ مولانا عاقل صاحب ان کے صاحب زادے جعفر الحاج ابوالحسن مولوی نجیب اللہ۔ صوفی اقبال
مولانا یوسف متالا۔ حکیم عبدالقدوس۔ مولوی اسماعیل۔ مولوی نذیر۔ ڈاکٹر ایوب۔ حاجی دلدار اسعد عبدالقدیر اور یہ ناکارہ
تھے۔ فوراً ہی تجہیز و تکفین کے لئے انتظامات شروع ہوگئے۔ ڈاکٹر ایوب کو ہسپتال کا ورقہ لینے کے لئے اسی وقت بھیج
دیا گیا۔ صاحب زادہ مولانا طلحہ صاحب۔ مولانا عاقل صاحب و دیگر متعلقین و خدام کا مشورہ ہوا کہ تدفین عشاء کے بعد
ہو یا فجر کے بعد۔ کیونکہ بعض مخصوص احباب و اعزہ کے مکہ مکرمہ سے پہنچنے کی اطلاع تھی۔ چونکہ ان کی وہاں سے روانگی کا ادیہ
معلوم تھا جس کے پیش نظر ان کا عشاء تک پہنچ جانا گویا یقینی تھا۔ اس پر یہ طے ہوا کہ عشاء میں ہی نماز جنازہ ہوجانی چاہئے۔ اور
فجر تک مؤخر نہ کیا جائے۔ اس کا اعلان بھی کردیا گیا۔ لیکن اس کا بھی برابر افسوس رہے گا کہ وہ اعزہ جن کی آمد کا بہت شدت سے
انتظار تھا وہ راستہ میں گاڑی خراب ہوجانے کی وجہ سے بروقت نہ پہنچ سکے۔

چونکہ عشاء کا اعلان ہوچکا تھا۔ اور مجمع بھی خوب جمع ہوچکا تھا اس لئے عین وقت پر تبدیلی نہیں ہوسکتی تھی۔ ا
ہر جگہ بذریعہ ٹیلیفون اطلاع کردی گئی تھی۔ مغرب کے بعد غسل دیا گیا جو مولانا عاقل صاحب اور مولانا یوسف متالا صاحب
کی ہدایات اور مشوروں سے دیا گیا۔ غسل کے وقت خدام کا بڑا مجمع موجود تھا ہر شخص کی خواہش تھی کہ اس مبارک عمل میں
شریک ہو۔ غسل میں شرکت کرنے والوں میں یہ حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

مولانا یوسف متالا۔ الحاج ابوالحسن۔ مولوی نجیب اللہ۔ حکیم عبدالقدوس۔ عزیز جعفر شاہ۔ عطار المہیمن۔ ابن شاہ عطار اللہ
بخاری۔ صوفی اسلم۔ مولوی صدیق۔ مولوی حسان۔ قاضی ابرار اور عبدالمجید وغیرہ۔

ڈاکٹر محمد ایوب صاحب جو ورقہ لینے گئے تھے پورے دو گھنٹے کے بعد آئے۔ اور بتایا کہ ورقہ حاصل کرنے میں کچھ
قانونی رکاوٹیں ہیں اور صاحب زادہ مولانا طلحہ کا جانا ضروری ہے چنانچہ مولانا طلحہ صاحب کو بھی ان کے ہمراہ بھیجا گیا
قبرستان والوں کو قبر کھودنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے کہا کہ جب تک ہسپتال کا ورقہ نہ آجائے ہم قبر نہیں

کھود سکتے۔ اس وقت عشا میں صرف پون گھنٹہ باقی تھا۔ دوبارہ مندرجہ بالا حضرات نے باہم مشورہ کیا۔ کہ اب بظاہر عشا تک قبر کا تیار ہونا دشوار ہے۔ لہذا فجر میں جنازہ ہو۔

اتنے میں سید حبیب صاحب تشریف لائے۔ انہوں نے بتایا کہ میں خود جا کر قبر کی جگہ بتا آیا ہوں۔ اور قبر کھودنی شروع ہو گئی ہے۔ تقریباً بیس منٹ بعد ہسپتال کا ورقہ بھی آ گیا۔ اور قبر تیار ہو جانے کی اطلاع بھی آ گئی۔ اور ساتھ ہی قبرستان والے مخصوص چارپائی بھی لے آئے۔ گویا عشار کی اذان سے پندرہ منٹ قبل جنازہ بالکل تیار تھا۔ لہذا پہلے مشورہ کے مطابق جنازہ کو باب السلام سے حرم شریف لے جایا گیا۔

عشا کے فرضوں کے متصل بعد یہاں کی عام عادت کے مطابق حرم شریف کے امام شیخ عبداللہ زاحم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع کی طرف باب جبرئیل سے نکل کر چلے۔ بے پناہ ہجوم تھا۔ ایسا ہجوم کسی اور کے جنازہ میں شاید ہی دیکھا گیا ہو

قبر شریف حضرت کی منشار کے مطابق اہل بیت کے احاطہ اور حضرت سہارنپوریؒ کی قبر شریف کے قریب کھودی گئی تھی۔ صاحبزادہ مولانا طلحہ اور الحاج ابوالحسن قبر شریف کے اندر اترے اور اسے بند کیا۔ اس طرح حضرت اقدس کی دیرینہ تمنا پوری ہوئی۔

ایک خاص بات یہ دیکھی کہ وصال سے ایک روز قبل حضرت والا ہر ایک سے فرداً فرداً دریافت فرماتے رہے کہ تم کیا کام کرتے ہو۔ صوفی اقبال صاحب الحاج ابوالحسن سے اس ناکارہ سے براہ راست دریافت فرمایا۔ صاحبزادہ مولانا طلحہ صاحب دوسرے کمرے میں تھے تو خادم کو بھیجا کہ طلحہ سے پوچھ کر آ کہ تو کیا کام کرے۔ ہر ایک نے کچھ نہ کچھ پڑھنے ذکر تلاوت وغیرہ کا جواب دیا تو سکوت فرمایا۔

بندہ سے بھی دریافت فرمایا۔ تو بندہ سے قبل ابوالحسن نے جواب دیا کہ یہ تو ابھی مطب جا کر مریضوں کا علاج کریں گے تو فرمایا "یہ بھی کوئی کام ہے"۔ گویا آخری وقت تک بھی اپنے لوگوں کے متعلق فکر تھا کہ کیا کرتے ہیں۔

تدفین کے بعد حضرت نور اللہ مرقدہ کے ایک مجاز نے دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے

یفتح له ابواب الجنة الثمانیه یعنی ان کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دئے جائیں)

ایک اور صاحب نے دوسرے روز صبح روضہ اقدس پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہوئے محسوس کیا گویا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ تمہارے شیخ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دی گئی ہے۔

ایسے انسان لاکھوں کروڑوں میں کوئی کوئی ہوتا ہے۔ فقط والسلام

نوٹ۔ آخر میں آپ کی خدمت میں اور آپ کی وساطت سے اور حضرات کی خدمت میں گذارش ہے کہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کے ہمیشہ کے تعزیت کے معمول کے مطابق جو جتنا زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کر سکتا ہو ضرور کرے کہ یہی چیزیں حضرت کے لئے نافع ہیں۔ اور ایصال ثواب کرنے والوں کے لئے بھی (ڈاکٹر) اسماعیل غفرلہٗ از مدینہ منورہ ۲ شعبان

مولانا سید عبدالحسی حسنی

روزہ

قرآن وسنّت کی روشنی میں

○ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ٥

مومنو! روزے تم پر فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ پرہیزگار بنو۔

○ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ٥

تو جو کوئی تم میں سے اس مہینہ میں موجود ہو چاہئے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (رکھ کر) ان کا شمار پورا کرے۔

○ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ٥

اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں (لیکن رکھیں نہیں) وہ روزہ کے بدلہ محتاج کو کھانا کھلائیں۔

○ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قریش زمانہ جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ حتیٰ کہ رمضان المبارک کا روزہ فرض کیا گیا اس کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے (بخاری)

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رمضان المبارک کا مہینہ آجاتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔ جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں۔ شیطان زنجیروں میں جکڑ دئے جاتے ہیں۔ (بخاری)

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی آدم کے ہر عمل کا دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سوائے روزہ کے کہ وہ میرے لئے ہے میں خود اس کا بدلہ دوں گا کہ بندہ اپنی خواہش اور کھانے کو میرے سبب سے چھوڑ دیتا ہے۔ روزہ دار کے لئے

یاں ہیں۔ ایک خوشی افطار کے وقت اور ایک خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ
نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی اچھی ہے۔ (مسلم)

○ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ بھی
کے لئے ایک دن روزہ رکھتا ہے اس روزہ کے سبب سے اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو آگ سے دور فرما دیتا ہے۔ آپ
لی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے یقین اور ثواب کی امید کے ساتھ روزہ رکھا اس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہو
اتے ہیں۔ (متفق علیہ)

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی روزہ
سے ہو، فحش کلامی نہ کرے، شور و شغب نہ مچائے۔ اگر کوئی اسے برا بھلا کہے یا لڑے جھگڑے تو دو مرتبہ کہے کہ
یں روزہ سے ہوں۔ (متفق علیہ)

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم میں سے کوئی بھول کر
کھا پی لے تو روزہ پورا کرے اسے اللہ نے کھلایا پلایا ہے۔ (متفق علیہ)

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دروغ گوئی اور اس
پر عمل کو ترک نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے (بخاری)

○ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فجر کا وقت ہو جاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی
بیویوں سے تقاضۂ بشری پورا کرنے کے سبب حالت جنابت میں ہوتے تھے پھر آپ غسل فرماتے اور روزہ رکھتے (متفق علیہ)

○ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگ جب تک افطار
میں جلدی کرتے رہیں گے۔ اچھے حال میں ہوں گے۔ (متفق علیہ)

○ حضرت بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سحری کھایا کرو سحری میں
برکت ہے۔ (متفق علیہ)

○ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کی۔ سحری
سے فارغ ہوئے تو نماز کو نکلے۔ پوچھا گیا سحری اور نماز میں کتنا فصل تھا؟ جواب میں فرمایا اتنا فصل تھا جتنی دیر میں پچاس آیتیں
پڑھی جائیں۔ (متفق علیہ)

○ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول
میں سفر میں روزہ رکھنے کی طاقت ہوں، کیا میں سفر میں روزہ رکھوں تو کوئی حرج ہے؟ آپ نے فرمایا یہ رخصت ہے جس نے
رخصت پر عمل کیا اچھا کیا اور جس نے روزہ رکھنا پسند کیا اس کے لئے کوئی حرج نہیں۔ (مسلم)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی

تعزیتی جلسہ سے مولانا ابوالحسن ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی کے تعزیتی کلمات

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کے انتقال پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں ۲۵ کی شام کو بعد نماز مغرب تعزیتی جلسہ ہوا۔ جس میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء نے خطاب فرمایا۔

جلسہ کا آغاز قرأت سے ہوا۔ اور اس کے بعد حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے حضرت شیخ کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی۔ اور ان کو اللہ کا برگزیدہ بندہ، رسول اکرمؐ کی حیات مبارکہ کا قریبی نمونہ اور محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء کا قائم مقام بتایا۔ سب سے آخر میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی جنہیں بقول حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی اس موضوع پر کچھ کہنے اور لکھنے کا حق اس تحتی براعظم میں مولانا محمد منظور نعمانی کے علاوہ اور کسی کو نہیں پہنچ سکتا نے خطاب کیا اور ان ہی کی دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنے خطاب میں الفاظ کی بے بضاعتی اور شکست کا اعتراف فارسی کے اس شعر کو پڑھ کر کیا جس کا مفہوم یہ تھا۔

"وہ اپنے محبوب کی تصویر تو بنا سکتا ہے لیکن اس کے ناز و ادا کی کیفیت نہیں پیش کر سکتا"

چنانچہ کسی شخص کا کمال بیان کرنے کے لئے ویسی ہی اصطلاحیں جاننا ضروری ہے۔ لیکن آج کے دور میں ان کو ہر شخص سمجھ نہیں سکتا۔ مثلاً اگر میں یہ کہوں کہ میری نظر میں ان جیسا صاحب نسبت بزرگ نہیں تھا۔ تو صاحب نسبت کی اصطلاح کی وضاحت ضروری ہو جائے گی۔ حضرت مولانا نے کہا۔ کہ وہ اپنے زمانہ کے حضرت نظام الدین اولیاء کے قائم مقام تھے۔ اور پھر انہوں نے کہا۔ کہ کس طرح سے کہوں کہ کس پایہ کے تھے۔ عالم اسلامی میں اس جامعیت، قوت باطنی، اس استغناء، اس شفقت، اس محبت اور اس پایہ کا آدمی میری نگاہوں نے ترکی سے کم نہیں دیکھا۔

حضرت مولانا نے شیخ کی زندگی پر صرف اس زاویئے سے روشنی نہیں ڈالی کہ وہ ایک بڑے مصنف، عالم، عربی دان اور مدرس تھے۔ کیونکہ یہ اوصاف بقول حضرت مولانا کے ان کے غلاموں کے غلام میں بھی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ان کی زندگی کے ایسے گوشوں پر اپنی نجی معلومات اور مشاہدات کے حوالوں سے نہ صرف روشنی ڈالی بلکہ شہادت

جو مرحوم کے اکابر اہلِ نسبت اور اولیاء کے زمرے میں شمار کرنے کی اہل ہیں۔ حضرت مولانا نے اس بات پر زور دیا ـــنے عشق الٰہی، عشقِ رسولؐ، احادیث سے عشق وانہماک، اسلاف سے حسن ظن، ان کا ممنون احسان رہنا اور مدارس سے تعلق کی جو وراثت چھوڑی ہے اس سے استفادہ کیا جائے۔ اوران کی طرح اپنے میں بھی وہ چیزیں پیدا کرنے کی ن کی جائے جو آخرت میں کام آتی ہیں۔ شیخ کے پاس وہ سب کچھ تھا جس کی ضرورت قبر میں پڑتی ہے۔ اس کے ساتھ بتایا کہ دنیا میں شیخ کو اگر کسی بات سے نفرت تھی تو وہ اسٹرائیک تھی۔ ان کو انتشار انگیزی قطعی گوارا نہیں تھی۔

حضرت مولانا نے کہا عرصہ دراز کے بعد ایسی ہستیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن اب مشکل یہ ہے کہ وہ معاشرہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ جو ان شخصیتوں کو ڈھالتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ سیرت نبویؐ کا وہ پہلو جو آج ہماری نگاہوں سے اوجھل ن کا ملکہ بن گیا تھا۔ وہ تھا ایمان واحتساب، نیت اور پھر عمل۔ ان کی شفقت اور اخلاق پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ان کے اخلاق کی باریکیوں تک دماغ نہیں پہنچ سکتا۔

مولانا نے شیخ کی جامعیت احادیث پر ان کی قدرت اور اس سے والہانہ عشق، سیاسی بصیرت، دنیا سے بے رغبتی، قوت باطنی، انتظامی بیدار مغزی، شان محدثیت، فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اسلاف کے طرز پر ایسا ـب کمال جامع، متضاد صفات کا حامل کہیں نہیں دیکھا۔ ذات نبویؐ سے ان جیسا تعلق میں نے اپنے دور میں کبھی نہیں دیکھا۔ حبِ رسولؐ اور عشق رسولؐ کا ایسا نمونہ کبھی نہیں دیکھا۔ وہ نہ جانے کتنی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے در پر حاضر ہوئے ہیں گئے۔ مگر جب گئے ایک جوش اور عقیدت کے ساتھ اور یہی نہیں صرف اس در تک پہنچنے کے لئے دو دو روزے کی نیت کر لیتے تھے۔ مدینہ طیبہ میں جو کیفیت ان کی ہوتی تھی وہ کسی اور میں نہیں دیکھی۔ وہ حضورؐ کے ـال ہی کی طرف بیٹھا کرتے تھے۔

مولانا نے شیخ کی ذات گرامی پر روشنی ڈالتے ہوئے مختلف المذاق مشائخ کے ساتھ ان کے بیک وقت تعلق اور بزرگوں کا بھی ذکر کیا، جو اگرچہ شیخ سے زیادہ بزرگ تھے، لیکن شیخ کو بزرگ مانتے تھے۔ اور خود شیخ بھی ـجان چھڑکتے تھے۔ ان میں سب سے خاص مولانا حسین احمد مدنی تھے۔ اس کے علاوہ خود شیخ کے چچا مولانا الیاس ـا عبدالقادر رائے پوری اور مولانا اشرف علی تھانویؒ شامل تھے۔ ان مقتدر ہستیوں کی بات کچھ ایسی تھی کہ ان ـیاسی نظریات سے بلند ہو کر ایک دوسرے کے قریب کر رکھا تھا۔ مولانا مدنی کی ہستی ایسی تھی کہ ان کے سیاسی ـسے اختلاف کے باوجود ان کو دیکھ کر پاؤں چوم لینے کو دل چاہتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ تقریر اور تحریر سے زیادہ ـاست کا معیار ہوتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ کے یہاں کس کا کیا مقام ہے۔ اپنے زمانے کے اہل اللہ کو پہچاننا اور سمجھ لینا ـطح کے لوگ ہیں۔ یہ ہمیشہ زمانے کے لئے بڑی ابتلا رہی ہے۔ حضرت شیخ میں ایسی نشانیاں تھیں جن سے اللہ کے ـان کے مقام کا پتہ چلتا تھا۔

حضرت مولانا نے بتایا کہ شیخ ایک وقت میں متضاد چیزوں اور مختلف جماعتوں کی سرپرستی کرتے تھے او
تبلیغی جماعت کے تو روحانی سرپرست تھے۔ اسے وہ اپنی اعانت سمجھتے تھے۔ مدارس سے گہرا تعلق تھا۔ دارالعلو
دیوبند پر دل وجان سے فدا تھے۔ اس کے بارے میں فکر اور دردمندی جو ان میں تھی وہ میں نے یہاں سے کر حجاز تک کہیں
نہیں دیکھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ وفات سے پہلے انہوں نے سن لیا ہوگا کہ مصالحت کی صورت نکل آئی ہے۔

دارالعلوم سے ان کے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے بتایا کہ وہ اپنے زمانے کے ذکی ترین آدمی تھے جس وقت
ندوے میں ۸۵ سالہ جشن تاسیس ہو رہا تھا اس وقت اس کی کامیابی کے لئے وہ ہر وقت دعا کیا کرتے تھے اور حا
یہ تھا کہ سوتے وقت ان کو ندوے کے بارے میں تقریریں کرتے ہوئے اور ہدایتیں دیتے ہوئے سنا گیا۔ ان ہی کی دعا
کے طفیل سے یہ اجتماع مثالی طور پر کامیاب ہوا۔

شیخ کو اپنے زمانے کا ایک صاحب فن عالم، محدث، محبوب الٰہی قرار دیتے ہوئے مولانا نے بتایا کہ شیخ کے کم
میں بڑے بڑے لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ جہاں وہ عملاً کتابوں کے انبار میں دبے رہتے تھے۔ مولانا
کے کمرے میں جانے کی کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ انہوں نے بتایا کہ کتابیں اینٹوں کی بے ترتیب دیوار کی طرح ڈھیر رہتی
درس حدیث ان کا محبوب ترین کام تھا اور اس میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ ان کی اکثر کتابوں کا مقدمہ لکھنے کا فخر مجھے ح
ہوا حالاں کہ احادیث میرا میدان نہیں ہے۔ اور میں حیران رہ جاتا تھا کہ اتنا عظیم شخص میرے ذمہ یہ کام کرتا ہے ان کے
اور ان کی نظر پہ میں دنگ رہ جاتا تھا۔ وہ ایک انسائیکلوپیڈیا تھے وہ جس درخت کے پھل تھے وہ چیز ہی کچھ اور تھ

مولانا علی میاں نے مولانا محمد ہاشم فرنگی محلی سے شیخ الحدیث کے تعلق کا بھی ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ ایسی ہستیاں ج
رخصت ہوتی ہیں تو اپنے ساتھ بہت سی چیزیں لے جاتی ہیں جس سے ظلمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس ظلمت کو دو
کے لئے ہمیں چاہیے کہ وہ جو ورثہ چھوڑ گئی ہیں اس سے مستفید ہونے کی کوشش کریں۔ اس سلسلے میں مولانا نے بکثرت ذکر
میں انہماک، اساتذہ اور اسلاف سے حسن ظن، ان کے ممنون احسان رہنے، مشائخ سے اور مدارس سے تعلق رکھنے،
بڑھانے وغیرہ باتوں پر زور دیا۔

مولانا منظور نعمانی نے شیخ کی زندگی کے مختلف واقعات بیان کئے اور کہا کہ حضورؐ کی زندگی جو احادیث
آتی ہے اس کو ذہن میں رکھ کر جب شیخ پر نظر ڈالئے تو میں سمجھتا ہوں کہ حضورؐ کی زندگی کا قریب ترین نمونہ اگر دیکھ
ملتا ہے تو وہ ان ہی میں۔

مولانا نعمانی نے وہ چیزیں اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنے پر زور دیا۔ جو آخرت میں کام آتی ہیں۔ اور
شیخ کو اللہ بے حساب دیتا تھا جسے وہ خرچ کر ڈالتے تھے۔ جو کمائی لے جانے والی تھی وہی لے گئے

از ارشادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

حفاظت و اشاعت قرآن مجید

حفاظت قرآن کی فضیلت و اہمیت پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے یہ خطاب پچھلے دنوں قاری محمد امین صاحب کی دعوت پر مدرسہ تا بیہ محلہ ورکشاپی راولپنڈی کے جلسہ تقسیم اسناد میں فرمایا۔ جسے مولانا محمد صدیق کیمبلپوری شریک دورۂ حدیث دارالعلوم حقانیہ نے ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے نقل اور مرتب کیا۔ (ادارہ)

(خطبۂ مسنونہ کے بعد۔۔۔)

میرے محترم بزرگو! میں حضرت قاری محمد امین دامت برکاتہم کا ممنون ہوں کہ مجھ بیمار کو تقریباً دو سال بعد یہ پہلا اجتماع ہے جس میں انہوں نے مجھے حاضری کا حکم دیا۔ اور میں نے اپنے لئے ان کا حکم بجا لانا باعث سعادت سمجھا۔

میرے محترم بزرگو! میری اس آواز کی کمزوری کی وجہ سے آپ محسوس کریں گے کہ کسی خاص تقریر کا مقصد نہیں ہے۔ نہ میں اس کا اہل ہوں۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے جو بعض حفاظ کی دستار بندی ہوئی ہے۔ اور ان کو خلعت عطا فرمایا محلے والوں نے۔ اور انشاء اللہ آئندہ رات کے اجلاس اور دوسرے اجلاسوں میں بھی دستار بندی ہوگی۔ یہ دستار بندی اور یہ عزت، آپ کہیں گے کہ اس میں ان کو کیا فائدہ ہوا؟ نہ ڈپٹی کمشنر بنے۔ نہ تحصیلدار بنے نہ سیکرٹری اور ڈائریکٹر بنے۔ یہ کیا چیز ہے جس کے لئے آپ نے ہمیں جمع کیا ہے۔ اور ان نوجوانوں کو مبارکباد دی ہے۔ تو میرے محترم بزرگو! میں آپ سے مختصراً عرض کرتا ہوں۔ کہ آپ یہاں سے یعنی پاکستان سے جب سعودی عرب جائیں گے۔ قطر جائیں گے۔ بحرین جائیں گے۔ شام جائیں گے۔ تو کیا آپ بلا پاسپورٹ اور بغیر ویزے جا سکتے ہیں؟ نہیں۔ چاہے آپ کتنے ہی بڑے آدمی کیوں نہ ہوں۔ لیکن جب تمہارا پاسپورٹ نہیں ویزا نہیں۔ تو آپ سعودی عرب نہیں جا سکتے۔ حج کے لئے بھی نہیں جا سکتے۔ عمرے کے لئے بھی نہیں جا سکتے۔ جب تک کہ پاسپورٹ نہ ہو۔ میں نے آپ کی پنڈی میں ابھی سنا ہے کہ ایک کنال زمین دو لاکھ روپے پر بکتی ہے۔

جنت الفردوس جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی اس کی ایک اینٹ سونے اور ایک چاندی کی ہے اور ہر جنتی کو اس دنیا سے اضعافاً مضاعفاً زیادہ وسیع مکان ملے گا۔ وقت نہیں ہے کہ میں آپ کے سامنے تفصیل سے عرض کروں بلکہ انشاء اللہ جو سب سے آخر میں داخل ہونے والا جنتی ہے اس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ تبسم فرمائیں گے اور راضی ہو کر کہیں گے کہ میرے بندے تو کیوں خفا ہے تو کہتا ہے کہ جنت بھری ہوئی ہے۔ جا تجھے میں نے جنت دی ہے اور اس دنیا سے کئی گنا زیادہ جنت میں جگہ تمہیں دے دی۔

اللہ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ تو میں آپ سے عرض کر رہا تھا کہ ایک کنال زمین تو آپ دو لاکھ روپے میں خریدتے ہیں۔

توجنت کی یہ زمین کیا بغیر پاسپورٹ اور بغیر ویزے مل سکتی ہے۔ ذرا آپ سوچیں تو یہ کھلی بات ہے۔ کہ یہ بھی زم
وہ بھی زمین ہے۔ وہاں بھی اسلامی حکومت ہے اور یہاں بھی اسلامی حکومت ہے۔ لیکن ہمیں بغیر پاسپورٹ جا
ہمت نہیں ہوسکتی۔ تو میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ یہاں سے لے کر عرش تک سب کچھ یہ دنیا میں حساب ہوتا
اور عرش کے نیچے، عرش کے سایے کے نیچے جنت اور خصوصاً جنت الفردوس اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو عطا فرما
گیا وہاں بغیر پاسپورٹ کے جائیں گے؟ بغیر ویزے کے جائیں گے؟ ذرا آپ سوچیں وہاں بغیر پاسپورٹ اور
کے نہیں جاسکتے۔ تو اس کے لئے یہ دنیا کا پاسپورٹ اور ویزا کام نہیں دے گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ مسلمان کو جنت کے دروازے پر کھڑا کردیں گے۔ آگے مکانات ہیں۔ جنت
درجات ہیں۔ قرآن مجید کی جس قدر آیتیں ہیں اسی قدر جنت کے درجے ہیں۔ فرض کیجئے جس طرح بعض قراء کا آیات
بارے میں خیال ہے تو جنت کے ۶۶۶۶ درجے ہیں۔ تو جتنی آیتیں ہیں قرآن مجید کی ہر آیت کے مقابلہ میں آپ کے
درجہ ہے۔ تو آپ نے اگر دس آیتیں پڑھ لیں تو دس درجے ملیں گے اور اگر آپ نے ایک سو آیتیں پڑھ لیں تو
سو درجے ملیں گے۔

پاسپورٹ ہے نا آپ کے پاس کہ نہیں ہے؟ اور جس کے پاسپورٹ نہ ہو وہ دروازے پر کھڑا رہے،
کہا جائے گا کہ پڑھو۔ تو وہ کہے گا ہاں جی۔ بتاؤ ویزا۔ بتاؤ پاسپورٹ۔ یعنی وہ پاسپورٹ تو قرآن ہے۔ یہ دنیا
پاسپورٹ کام نہیں دے گا۔ جنت کا جو پروانہ ہے وہ اللہ کے نزدیک قرآن مجید کی آیات مبارکہ ہیں۔ جتنی
آپ نے پڑھیں۔ یا سب آیتیں آپ نے پڑھیں تو سب سے اعلیٰ درجہ جنت الفردوس میں آپ کو مل جائے گا۔ اا
کو نصیب فرمائے۔ اور اگر تھوڑی سی آیتیں پڑھیں تو جہاں تمہاری قرأت ختم ہوگی وہاں تمہارے لئے جنت کا
کردیا جائے گا۔

میرے محترم بزرگو! یہ کہ آپ نے دنیا میں ایک بڑا عہدہ اگر سنبھال لیا تو کیا وہ صاحب قابلِ رشک
یا یہ نوجوان علماء، جنہیں قیامت کا پاسپورٹ ملا۔ اور پاسپورٹ بھی وہ جو آخری درجے میں جانے کے لئے
ہے وہ ملا۔ اب بتائیے کہ کون کامیاب ہے؟ یہ کامیاب ہوئے یا وہ۔ دنیوی تعلیم میں مہارت حاصل کر چکا ہے۔ فرض
کہ ایک شخص نے بی اے یا ایم اے کر لیا اور ڈی سی بن گیا۔ یا سیکرٹری بن گیا۔ تو آپ کے ہاں تو مجھے معلوم نہ
ہمارے ہاں یہ واقعہ ہوا کہ ایک شخص نے اپنے بچے کو دینی تعلیم کی بجائے دنیاوی تعلیم دلائی۔ اور اعلیٰ ڈگری
کر لینے کے بعد وہ ڈی سی بن گیا۔ ایک روز اس کا باپ اسے ملنے کے لئے گیا پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑے پہ
تھے جیسے دیہاتوں میں ہوتا ہے۔ دروازے پر کھڑا ہے۔ پولیس نے اسے روک لیا کہ تم کون ہو؟ ڈی سی کی
گئی کہ یہ تو میرا باپ ہے۔ کھدر کا کرتہ اور پاجامہ پہن رکھا ہے۔ پرانی وضع کا آدمی ہے۔ غیر مہذب ہے۔ تو یہ تو

مذاق اڑائیں گے۔ تو اس نے چپڑاسی سے کہا کہ اس آدمی کو باہر بٹھاؤ یہ ہمارے گھر کا نوکر ہے۔ اور کہو کہ صاحب فارغ نہیں ہیں۔ وہ بھی بڑا حاضر جواب تھا۔ اس نے دروازے سے آواز دے کر کہا۔ ہاں میں تیری ماں کا نوکر ہوں۔ یہ کہہ کر چل دیا۔ میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ اب دینداروں میں بھی یہ بلا دیکھتا ہوں۔ ظاہر بات ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والا جس کے متعلق اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

" اَنِ اشکرلی و لوالدیك " پہلے میری نعمتوں کا شکر ادا کرو پھر ماں باپ کا۔ اور ماں باپ کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ اب یہ بتائیں کہ وہ باپ جس کے یہ بیٹے ہیں۔ جن کی سرپرستی آپ حضرات نے کی ہے۔ آپ کا بھی اس میں حصہ ہے۔ حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم، تمام محلے والوں اور مدرسے والوں کا اس میں حصہ ہے۔ بھلا بتلائیے کہ اس نے جو یہ کہے گا کہ جب بڑا آدمی بن جائے کہ ہمارے گھر کا نوکر ہے۔ کہنے پر کہ یہ میرا باپ ہے۔ وہ نادم شرمندہ ہوتا ہے۔ کیا اس نے کمال حاصل کر لیا۔ یا وہ جو باپ کو دیکھ کر باپ کے قدموں پر گرنے لگتا ہے۔ اور ماں کے قدموں پر گرنے لگتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے۔ کہ جنت مجھے یہیں ملے گی۔ میں عرض کرتا ہوں۔ آپ حضرات اور یہ ہمارے پاس اس کی قدر نہیں۔ دیکھو نا! یہ غالباً عالمگیرؒ۔ جو ہندوستان۔ ہرات۔ کابل اور یہ تمام بنگلہ دیش اور یہ علاقے سب اس کے زیر حکومت تھے۔ دہلی دارالحکومت ہے۔ اس سے اس کے والد کی شکر رنجیدگی پیدا ہوئی۔ اب یہ عالمگیر وہ شخص ہے جس کو بارہ ہزار احادیث مع السند یاد ہیں۔ بارہ ہزار احادیث۔ اور اتنا بڑا آدمی تھا۔ کہ چالیس تمام ملک کے بڑے بڑے علماء ان کے ساتھ بیٹھ کر وہ کھانا کھاتا تھا۔ اور صبح سے لے کر دوپہر تک جتنے مسائل پیش ہوتے۔ ان کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ کہ اس کا حکم کیسا ہے۔ اور اس طرح رات کے وقت میں ان تمام دن کے مسائل کو شریعت کی میزان میں تولنے کے لئے۔ ان چالیس علماء کے سامنے پیش کیا کرتا تھا۔ اس نے ایک کتاب مرتب کی۔ جو قوانین ہیں۔ جو ہندوستان کے قوانین تھے اس وقت پاکستان ہندوستان یہ سب ایک ملک تھا۔ اس کا نام عالمگیری تھا۔ اس کو فتاویٰ ہندیہ بھی کہتے ہیں۔

تو وہ شخص چونکہ باپ اس سے ناراض ہے۔ اب وہ عالم ہے عالمگیرؒ۔ اس نے یہ سمجھا ہے۔ میرے روزے۔ میری نماز۔ میرے حج۔ میری زکوٰۃ میری تمام نیکیاں اس وقت فائدہ مند ہوں گی۔ جب باپ خوش ہو۔ اب اس نے چاہا کہ باپ کو خوش کروں۔ کس طریقے سے خوش کرے؟ اس نے بڑی کوشش کی جرگے بھیجے۔ پھر اس کے بعد ہدایا اور تحائف بھیجے۔ لیکن باپ نے کہا کہ میں اس سے منہ نہیں لگاؤں گا۔ وہ بادشاہ تھا۔ اب عالمگیر نے اپنے بیٹے کو قرآن مجید یاد کرایا۔ یہ تو خود انڈیا کا بادشاہ تھا۔ تو وزیر سے کہا کہ میرے باپ کو جا کر خوشخبری سنانا۔ کہ تمہارے پوتے نے قرآن مجید یاد کر لیا ہے۔ وہ کیا اثر لیتا ہے۔ اس بات پر۔ جیسا کہ آپ حضرات تشریف فرما ہیں اس خوشی میں کہ چند نوجوانوں نے قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ یاد کر لیا ہے۔ تو اس خوشی میں ہم بیٹھے ہیں، تو وزیر سے

کہتا ہے۔ کہ جا میرے باپ کے سامنے یہ بشارت دینا۔ کہ تیرے پوتے نے قرآن شریف کو یاد کیا ہے۔ اس نے یہ بات سن لی۔ چارپائی پر پڑا تھا۔ بادشاہ تھا۔ قالینوں کے درمیان نظر بند تھا۔ اس نے بات کو سن کر کہا۔ اچھی بات ہو گئی یہ تو۔ میرے پوتے نے قرآن یاد کر لیا اچھی بات ہو گئی۔ خوشی ہے بس اتنا کہہ دیا۔ اور وہ وزیر اعظم واپس چلا گیا۔ تو عالمگیر کہتا ہے۔ کہ میرے باپ نے کیا اثر لیا ہے۔ تم نے خوشخبری جب اس کو سنا دی۔ تو اس نے جواب میں کہا۔ کہ اس کا کوئی خاص اثر نہیں لیا ہے۔ ویسے اس نے کہا اچھی بات ہو گئی۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ جس شخص نے قرآن مجید کو یاد کیا جس لڑکے یا لڑکی نے قرآن مجید کو یاد کیا۔ اس کے باپ کے سر کے اوپر قیامت کے دن تاج رکھا جائے گا۔ یہ لفظ ہے ماں۔ باپ کا۔ تو اب عالمگیرؒ نے یہ تو خوشی ظاہر کی کہ میرے پوتے نے قرآن شریف کو یاد کر لیا ہے۔ لیکن جو مقصد عالمگیر کا تھا۔ وہ پورا نہ ہو سکا۔ وہ سمجھ گیا اور قرآن شریف یاد کرنے لگا۔ دیکھئے اسے بارہ ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ ایسے بھی گذرے ہیں سلاطین اور عالمگیری جیسی کتاب بھی تالیف کرائی۔ اور ملک کا نظام بھی چلاتا ہے۔ قرآن شریف یاد کرنے لگا۔ تو اس نے قرآن شریف کو یاد کر لیا۔ اس نے پھر وزیر اعظم سے کہا۔ جاؤ میرے والد سے کہہ دینا کہ عالمگیر نے قرآن شریف یاد کر لیا ہے۔ انہیں خوشخبری سنانا۔ وہ جا کر عرض کرتا ہے کہ حضرت تیرے بیٹے عالمگیرؒ نے قرآن یاد کر لیا ہے۔ اس نے کہا اچھا۔ وہ تو بادشاہ ہے ملک کا۔ اتنے بڑے نظام وہ چلا رہا ہے۔ قرآن شریف اس نے کیسے یاد کر لیا ہے۔ تو وزیر اعظم نے کہا کہ حضرت آپ امتحان لے لیں۔ قرآن شریف میں لے آؤں گا۔ اور اس کو بھی بلا لوں گا۔ اگر اجازت ہو تو جہاں بھی آپ امتحان لینا چاہیں لے لیں امتحان۔ کہ یاد ہے۔ یا نہیں۔ تو اس کو یقین ہو گیا کہ عالمگیرؒ نے قرآن شریف یاد کر لیا ہے۔ تو باپ لیٹا ہوا تھا۔ پہلے تکیہ لگائے ہوئے۔ پھر بیٹھا۔ اور بیٹھ کر ہنسنے لگا۔ خوش ہونے لگا۔ اور اس نے کہا۔ کہ جا میرے بیٹے سے کہہ دینا۔ کہ میں نے تجھ کو معاف کر دیا ہے۔ جب تم نے قرآن پاک یاد کر لیا۔ تو میں نے بھی تمہیں معاف کر دیا۔ وہ ویسے نہیں کہتا تھا۔ وہ اس بنا پر کہ عالمگیر کا باپ یہ سمجھ رہا تھا۔ کہ اس کے بیٹے نے قرآن کو یاد کر لیا ہے۔ تو قیامت کے دن اس قرآن شریف کی برکت سے میرے سر پر تاج رکھا جائے گا۔ اس کا ایک ایک موتی آفتاب کے نور سے بھی زیادہ منور ہو گا۔ جس بیٹے کی برکت سے چاہے، چاہے اس نے اس کے ساتھ کچھ ناچاکی کی باتیں کی ہوں۔ لیکن اس کی برکت سے مجھے جنت جانا ہو گا۔ اور قیامت کے دن جواہرات کا تاج میرے سر پر رکھا جائے گا۔ تو میں جب اس کی برکت سے اتنا اونچا ہوتا ہوں۔ تو میں اس کو کیوں نہ بخشوں، تو کہا میں نے بخش دیا۔

کتنی بڑی بات ہے جو ان بچوں کی ان نوجوانوں کی ہم نے دستار بندی کی۔ اور آپ کے محلے نے کوشش کی تو یہ بتائیں کہ یہ بہتر ہے۔ یا وہ ڈی سی جو کہتا ہے۔ کہ یہ میرا نوکر ہے۔ وہ بڑا ادب جو کرے گا۔ تو کہے گا۔ کہ یہ ہمارے محلے کا پرانا آدمی ہے۔ اتنا ہی کہہ دے گا۔ آپ خوش ہوں گے۔ وہ ڈی سی یا سیکرٹری یا وزیر بن کر بھی آپ کو

کہے کہ میرا بڑا بھائی ہے۔ یا میرا والد ہے۔ خوش قسمتوں کو یہ بات ملتی ہے۔ لیکن ان بچوں نے جو چیز حاصل کی وہ کتنی بڑی چیز ہے۔

دیکھو میرے بھائیو! یہ غیاث الدین بلبن۔ جو گذرا ہے۔ بادشاہ۔ اس کا حکم تھا۔ کہ میرے گھر میں جتنی خادمائیں اور کنیزیں ہوں۔ حافظ القرآن ہوں۔ آٹا بھی جو گوندھے وہ بھی حافظ القرآن ہو۔ ہانڈی پکائے تو وہ بھی حافظ القرآن ہو۔ تو ایسے لوگوں کو اپنے پاس رکھتا تھا۔ تاکہ ان کے حفظ کی برکت سے مجھے اور ملک میں ترقی ہو۔

اب یہ بتائیں کہ ان نوجوانوں نے جو کچھ حاصل کیا۔ یہ ماں باپ کے لئے تاج کا سبب بنے گا یا نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ حافظ کے ماں باپ کے سر پر تاج رکھا جائے گا۔ تو گویا اس حافظ کو جو خلعت آپ محلے والوں نے دیا تو اللہ ان کو بھی جنت کا خلعت عطا فرمائے گا۔

جب باپ اور ماں کے سر پر تاج رکھا جائے گا تو بیٹا جو حافظ القرآن ہے۔ بیٹی جو حافظ القرآن ہے۔ اس کو کیا کچھ ملے گا؟ اس کو تو بہت بڑی نعمت ملے گی۔ اس کو تو بہت بڑی چیز ملے گی۔

میرے محترم بزرگو! یہ نعمت یہ قرآن کی برکت سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔ کہ ہمیں اپنی اولاد کے اوپر زراعت۔ صنعت حرفت۔ ملازمت اور تجارت وغیرہ ان چیزوں کی طرف بھی توجہ دینی چاہیئے۔ ہم اس کے مخالف نہیں ہیں۔ لیکن میں آپ سے یہ عرض کرتا ہوں۔ کہ یہ فانی ہے۔ اس کا فائدہ کوئی مستقل فائدہ نہیں ہے۔ اور جو باقی چیز ہے۔ باقی کا فائدہ یہ ہے۔ کہ جن بچوں نے قرآن شریف یاد کر لیا۔ حفظ۔ تجوید اور دونوں نعمتیں اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرمائیں۔ یہ سب سے بڑا احسان ہے۔ اس کے علاوہ دیکھئے قبر میں ہم اور سب اکیلے ہوں گے سب۔

وہ اکبر بادشاہ گذرا ہے، اکبر بادشاہ بڑا ملحد تھا، لیکن اس زمانے کے ملحد بھی عجیب تھے۔ اس ملحد کے دماغ میں یہ چیز آئی۔ کہ یہاں جو بجلی اور لالٹین موجود ہے۔ قبر میں کیا ہوگا اندھیرے میں۔ تو بادشاہ کی طبیعت پریشان ہو گئی۔ تو تمام وزراء پریشان ہیں۔ ہر ایک کچھ نہ کچھ تدبیر بناتا ہے۔ تو ان میں ایک وزیر تھا۔ بیربل۔ اس نے آ کر بادشاہ سے کہا۔ آپ کو چند دن سے ہم دیکھتے ہیں بڑا مغموم ہے کیا بات ہے۔ اس نے کہا بات یہ ہے۔ کہ مروں گا۔ مرنے کے بعد قبر میں اکیلا رہوں گا۔ روشنی بھی نہیں ہوگی۔ اندھیرا ہوگا۔ کیا کریں گے۔

بیربل نے اکبر کو کہا۔ مسلمان کی قبر میں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شخص مبارک فرشتے کرائیں گے۔ کہ ماتقول فی ہذا الرجل۔ اس ذات اقدس کے بارے میں تو کیا کہتا ہے۔ اب عاشق تو سمجھتا ہے محبوب کو۔ تو عاشق لپٹ جائے گا قبر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک یا رونق کو دیکھ کر لپٹ جائے گا۔ کہے گا کہ کاش دس برس پہلے مرتا۔ حضورؐ کا دیدار کر لیتا۔ تو بیربل نے اسے تسلی دی۔ کہ تو تو مسلمان ہے۔ اور تجھے معلوم نہیں کہ قبر میں انوار و برکات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کے آئیں گے۔ تو تاریکی تمہارے

اوپر نہیں ہوگی۔ سمجھے یہ تھا ایک ہندو بیربل اور ایک ملحد اکبر بادشاہ، وہ ملحد اس لئے تھا کہ سکھوں، ہندوؤں عیسائیوں، پارسیوں اور مسلمانوں سب کا مجموعہ ملاکر ایک مذہب بنایا تھا اس نے۔ تاکہ میری حکومت اور میرے خاندان کی حکومت باقی رہے۔ تو وہ تھا ملحد لیکن کم از کم اتنا فکر تو تھا۔ کہ قبر میں کیا کروں گا۔

میں آپ سے عرض کرتا ہوں۔ صحیح حدیث میں آتا ہے۔ کہ جب آپ اور ہم قبر میں جائیں گے۔ تو یہ فرشتے چاروں طرف گرزلے کر آئیں گے۔ فرشتے آئیں گے۔ ایک سر کی طرف۔ اس طرف سے پوچھا جائے گا۔ کہ تو کون ہے۔ تیرا رب کون ہے تیرا دین کیا تھا۔ تیرا رسولؐ کیا ہے۔ ظاہر بات ہے۔ یہاں معمولی ممتحن کو جواب دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہاں کیا حالت ہو گی۔ تو اب وہاں سے سر کی طرف سے جو قرآن پڑھنے والا تھا دنیا میں۔ تو وہ قرآن شریف باہر آئے گا اور وہ یہ کہے گا۔ کہ اس طرف سے تو نہیں نہ مار۔ میں نے اس دماغ میں جگہ پکڑی ہے۔ تو اس طرف سے وہ فرشتہ ہٹ جائے گا تو دائیں جانب کھڑا ہوگا۔ دائیں جانب سے جب وہ مارے گا۔ تو نماز جو ہے دائیں جانب وہ کھڑی ہو کر اس کو کہے گی۔ اس کو مت مار۔ کیونکہ اس نے جمعہ کی نماز پڑھی ہے۔ اور نمازوں میں شریک تھا اس کو مت مارنا۔ وہ سامنے سے ہٹ جائے گا۔ پھر بائیں جانب سے فرشتہ جب اس سے پوچھے گا۔ اور جب مارے گا اس کو۔ تو روزہ سامنے آئے گا۔ کہ اس کو مت مارنا۔ اس نے تہجد پڑھی ہے۔ اس نے کھڑے ہو کر تہجد پڑھی ہے۔

اب یہ بتائیے کہ قبر میں روشنی کا ذریعہ قرآن ہے یا نہیں۔ قبر میں یہ بجلی پنکھا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ یہ روشنی نہیں ہو گی۔ قرآن کی روشنی ہوگی۔ اور یہ نماز کی روشنی ہوگی۔ روزے کی روشنی ہوگی۔ اور تہجد کی روشنی ہو گی۔ لیکن یہ دنیوی روشنیاں جو ہیں۔ یہ تو نہیں ہوں گی۔ تو اب جس نے قرآن مجید یاد کر لیا۔ تو وہ کتنا بابرکت ہے۔ کہ قرآن کی روشنی میں قبر میں لیٹے گا۔ اور قرآن سر کی جانب آکر سپاہی کی طرح کھڑا ہو کر اس کی حفاظت کرے گا۔ تو اب بتائیے کہ یہ شخص قابل مبارک باد ہے یا نہیں۔ اس نے اپنے لئے قبر کی زندگی بھی منور کر لی۔ اور میں کیا عرض کروں۔ محترم دوستو! آپ کا عزیز وقت میں لینا نہیں۔ یہ مدرسے کی برکت ہے و یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہ مدرسے کی برکت ہے۔ دیکھئے نا آپ کو معلوم ہے کہ جس وقت اس ملک میں انگریز آیا تھا۔ اس نے اول سے علماء اور دیندار لوگوں کو پھانسی دی۔ اور پھانسی کے ذریعے سے جب وہ کامیاب نہ ہوا تو اس نے یورپ سے پادریوں کو بلایا۔ اور ان کو کہا۔ کہ تم ان مولویوں کو چیلنج دے کر مقابلہ کرنا۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ساتھ شاہجہان پور اور دوسری جگہوں میں مناظرہ ہوا۔ اس میں بھی اس نے شکست کھائی۔ لیکن لاکھوں دینداروں کو انگریز نے قتل کیا۔ تو اس وقت بھی چند بزرگوں نے جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور دوسرے بزرگوں نے کہا۔ کہ مدرسے کی بنیاد اب رکھنی چاہئے۔ ہمارے پاس فوجی طاقت نہیں ہے۔ اور توپیں نہیں ہیں۔ بندوق نہیں ہے۔ اور انگریز

دیندار شہید ہو گئے۔ اب ہم مدرسے کی بنیاد رکھتے ہیں۔ تاکہ اس میں چند بچوں کو چند نوجوانوں کو پڑھایا جائے۔ تو وہاں ایک مدرسے کی بنیاد رکھی۔ اس میں ایک استاد اور ایک شاگرد تھا۔ استاد کا نام بھی محمود اور شاگرد کا نام بھی محمود۔ وہ محمود الحسن ایک مدرسے کا طالب علم اور ایک استاد چند برس گذرے وہ محمود الحسن شیخ الہندؒ کے نام سے ملقب ہوا۔ جو مالٹا میں قید رہے۔ اسیر مالٹا کے نام سے مشہور ہیں۔ جن کا ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ آج کل بھی الحمدللہ ہر جگہ ملتا ہے۔ حضرت شیخ الہند وہ ہستی ہیں۔ کہ رولٹ کمیٹی انگریزوں کی۔ اس نے کہا۔ کہ تمام ہندوستان میں بغاوت اس مولوی کی برکت ہے۔ یہ ایک مولوی ہے۔ کہ جس کی وجہ سے انگریز تنگ ہیں۔ رولٹ کمیٹی نے تمام زور حضرت شیخ الہندؒ پہ ڈالا۔ وہ جس وقت بڑھاپے میں آخری عمر میں آخری وقت میں ہیں۔ وہاں پر تمام مرید طلبار، تمام حکمار گرد اگرد جمع ہیں۔ کسی نے کہا حضرت آپ یہ بتائیں کہ آپ کی زندگی دین کے کاموں میں گذری ہے تو آپ کا کونسا کام ایسا ہے جس پر تمہیں اعتماد ہو۔ کہ اللہ مجھے بخش دے گا۔ کوئی کام تو ہونا چاہیئے۔ ہمارے ہاں ہوشیار لوگ جو ہیں۔ وہ چاہے کتنا ہی خرچ کریں۔ دس پندرہ روپے گھر میں رکھتے ہیں۔ کونے میں۔ تاکہ سختی کے وقت کام آئیں۔ تو ہمیں بھی یہ چاہیئے کہ ہم سختی کے وقت کے لئے یہ سوچیں کہ ہمارا کوئی دین کا ایسا کام ہے کہ وہاں کام دے سکے گا۔

اور دیکھیئے ان مجاہدین کی برکت سے آج ہم آزاد ہیں۔ اور یہ وہ ہستی ہے جس نے تمام عمر انگریزوں کو تنگ کیا یہ وہ ہستی ہے جس کی عمر جیلوں میں کٹی۔ لیکن وہ کہتا ہے۔ کہ ہاں ایک چیز ہے۔ جس کے اوپر مجھے بھروسہ ہے۔ قرآن شریف لے کر انہوں نے کہا۔ کہ یہ قرآن شریف جس کا ترجمہ میں نے شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا جو ترجمہ ہے وہ آسان کر دیا ہے۔ یہ ایک عمل ہے۔ کہ اللہ کے سامنے پیش کروں گا۔ کہ اے اللہ! میں نے آپ کے کلام کی خدمت کی تھی۔ میں کہتا ہوں کہ اس محلہ والے اور دوسرے جو بھائی مسلمان ہیں۔ جو علماء ہیں جو اساتذہ ہیں۔ وہ قابل مبارک باد ہیں اللہ کے سامنے یہ عمل پیش کریں گے۔ کہ یا اللہ ہم نے ان چند نوجوانوں کو چند سپاہیوں کو اور چند بزرگوں کو قرآن سکھایا۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے قرآن کی خدمت کی تیس برس تک۔ کہتے ہیں جب ان کا انتقال ہوا۔ انتقال ہونے کے بعد ایک بزرگ نے غالباً گنج مراد آبادی ہیں۔ وہ کشف بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ جب دفن ہو گئے۔ دہلی میں ان کی قبر ہے۔ تو چودہ میل کے اندر اندر جتنے اصحاب قبور ہیں۔ سب سے عذاب اٹھ گیا۔ یہ قرآن کی برکت ہے۔ چودہ میل کتنے ہیں گرد اگرد عذاب اٹھا۔ آپ کہیں گے یہ کیا منطق ہے۔ دیکھو یہ پنکھا ہے یہ آپ کے لئے چل رہا ہے۔ لیکن وہاں ہوا پہنچتی یا نہیں پہنچتی ہے نا۔ اور وہاں بجلی کی روشنی کو جلائیں تو وہ روشنی باہر صحن کو بھی جاتی ہے یا نہیں۔ جلایا تو آپ نے اپنے لئے۔ لیکن وہ روشنی پہنچتی کہاں ہے۔ اس طریقے سے حضرت شاہ عبدالقادر پہ رحمتیں برس رہی تھیں تو اس کی برکت سے چودہ میل کے اندر اندر جتنے اصحاب

قبور ہیں ان سے عذاب اٹھ گیا۔ کتنی بڑی سعادت اور نیک بختی جو آپ حضرات کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے میسّر فرمائی
میں آپ سے ایک بات خوشخبری کی عرض کرتا ہوں۔ کہ بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ ان مدارس کی کیا ضرورت ہے
میں آپ سے کہتا ہوں۔ کہ انگریز نے ہمارے ملک میں تباہی تقریباً دو سو برس ہی کی۔ پھر اس کے بعد جو دور آیا اُس
دور میں کتنی تباہیاں اور کتنی بربادیاں ہوئیں۔ لیکن الحمد للہ کہ آج ایک مدرسہ کی آواز پر اتنے مسلمان جمع ہیں اس مسجد
میں۔ یہ ایک آواز پر لبیک ہم نے کہہ دیا۔ اور ہم اور آپ حاضر ہوئے۔ تو یہ انگریز خود بھی حیران ہوتا تھا کہ لاکھوں
کروڑوں روپیہ۔ فوج اور مشینیں۔ توپیں اور ہوائی جہاز اور مشینریاں اور یہ تمام خرچ کیں۔ اور نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ایک
عالم اور ایک حافظ نے یہ آواز دی۔ کہ آئیے آج چند آیتیں قرآن شریف کی سنائیں گے۔ تو کتنے لوگ جمع ہو
جاتے ہیں۔ ایمان باقی ہے یا نہیں۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہٗ حافظون۔ الآیۃ۔ اللہ نے اس قرآن کو نازل فرمایا
وہی اس کی حفاظت کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر آپ پانچ منٹ کے لئے علیحدہ ہو کر سوچیں کہ ہم مسلمان ہیں کس نے مسلمان کیا ہے؟ ہمارا
استاد نے یہی کہیں گے۔ ہمارے مولوی صاحب نے اور پھر ہمارے باپ نے۔ اور ہمارے باپ کو کس نے مسلمان
کیا اس کے باپ نے۔ اس کو کس نے مسلمان کیا۔ اس طریقے سے آپ سلسلہ جب چلائیں گے۔ تو آج چودہ سو برس تک
ایمان کی چنگاری جو آئی ہے۔ یہ مدرسے کے دین کی برکت ہے۔ یا اور کچھ یہ حقیقت میں دین کی برکت ہے۔ یہ
ایک نقطہ ہے صحابہ کرامؓ نے جب مکہ معظمہ فتح کر لیا۔ تو وہاں معلوم ہے آپ کو ایک نماز کا ایک لاکھ نمازوں کا اجر
ملتا ہے۔ خانہ کعبہ میں ایک نیکی کا اجر ایک لاکھ درجے ملتا ہے۔ لیکن صحابہؓ نے اسے فتح کیا تو پھر چاہیے تھا
وہیں قیام کرتے۔ بس اپنے گھر۔ اپنے شہر۔ اور پھر مبارک جگہ ان کو میسر ہوئی۔ لیکن نہیں انہوں نے رخ کیا شام
ایران، عراق کا۔ انڈونیشیا کا۔ ہندوستان پاکستان کا۔ اور یورپ کا اور افریقہ کا۔ اب صحابہؓ نے اکیلے جا کر ایک
ملک میں کسی کو کلمہ سکھایا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ کسی کو نماز سکھائی۔ اب وہ چودہ سو برس پہلے جو صحابیؓ
اس نے کلمہ سکھایا ہے۔ ہمارے دادے کو اور نماز سکھائی ہے۔ آج چودہ سو برس تک کتنے ارب نمازیں ہوئی
گی۔ ہوئی ہیں نا۔ کتنے اربوں دفعہ ذکر الٰہی ہوا ہو گا۔ اس کا ثواب آپ کے اعمالنامے میں بھی درج ہو گا۔ اور وہ صحابی
جس نے ہجرت اختیار کی تبلیغ کی اس کے اعمال نامے میں بھی لکھا جاتا ہے۔ فلہٗ اجرھا و اجر
من عمل بھا۔ اب بتلائیے وہاں رہتے خانہ کعبہ مبارک میں تو ایک ارب نمازوں کا اجر ہو جاتا۔ پھر فرض کیجئے یعنی
نماز کا اجر ایک لاکھ بیاسی ارب کتنا ہے۔ اب قیامت تک جو سلسلہ چل رہا ہے وہ تمام اجر و ثواب صحابی کے اعمال
میں لکھا جاتا ہے۔

تو میں آپ سے عرض کرتا ہوں۔ کہ یہ جو دین کو آپ دیکھ رہے ہیں مدارس کی ..... ایک مدرسہ جو قائم ہوا اس

کے مقابلے میں تو اس کی برکت ہے ۔ ہر مکان کے سامنے میں آپ کو ایک عالم اور ایک تبلیغ کنندہ ملے گا۔ اور میں آپ کو ایک خوشخبری اور سناؤں محترم بزرگو ! دارالعلوم حقانیہ چونکہ سرحد کے قریب ہے ۔ اور اس میں تقریباً پانچ سو بچے ہیں ۔ تقریباً ۲ سو تک طلبا ہیں ۔ اور اکثر طلبا افغانستان اور بلوچستان کے ہیں ۔ تو آج آپ جو چترال سے لے کر تک بیس لاکھ سے زائد مجاہدین اور مہاجرین دیکھ رہے ہیں اور سرحدوں پر بڑھے ہوئے ہیں ۔ اور افغانستان میں وہ جہاد کر رہے ہیں ۔ روس کے ساتھ ۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ طلبا سبق پڑھ کر آتے ہیں ۔ ہمارے سامنے روتے ہیں کہ حضرت ہمیں اجازت دو کہ ہم جہاد کے لئے چلے جائیں ۔ ہم کہتے ہیں بھائی اس سے بہتر کام اور کیا ہوگا ۔ وہ جہاد کو چلے جاتے ہیں ۔ اگر حکومت کا سی آئی ڈی ہو تو اس سے آپ پوچھ سکتے ہیں ۔ کہ چترال سے لے کر بلوچستان تک یہ محاذ سے جو بیس لاکھ ادھر ہیں یا زائد ۔ اور اس طرف کون لڑ رہا ہے ۔ میں کہتا ہوں ۔ میں اپنے ساتھیوں کو بھی کہتا ہوں کہ یہ جو اسرائیل اور یہودیوں کا بیت المقدس پر قبضہ ہے ۔ خدا معلوم چودہ پندرہ برس یا اس سے زیادہ عرصہ ہوا کہ لڑائی ہو رہی ہے ۔ یہ یہودی جو ہیں نا ۔ یہ تقریباً بائیس لاکھ اس زمانے میں تھے ۔ اس کے مقابلے میں گردا گرد مسلمان جوان کے ساتھ لڑ رہے ہیں ۔ اردن ۔ شام اور عراق اور یہ وہ اس زمانے میں بارہ کروڑ تھے ۔ بارہ کروڑ اور ۲۲ لاکھ کا مقابلہ ہے ۔ اور اگر تمام مسلمانوں کو جمع کر دیں تو وہ اگر تھوکیں صرف اور کچھ نہ کریں ۔ لاٹھی نہ لیں ایک بار سب تھوکیں بھی ۔ تو یہودیوں کو ڈبو دیں گے ۔ یا نہیں ڈبوئیں گے ۔

لیکن ہوا کیا ۔ ہوتا یہ ہے ۔ کہ روزانہ ہمارے دل کو زخمی کیا جاتا ہے ۔ آج یہودیوں نے یہ کیا ۔ آج ہماری تجارت کا ۔ آج ہمارے اسلحہ کا ۔ آج اس پر بمباری کی ۔ عراق پر کل ہی بمباری کر چکا ہے ۔ لیکن اس کا مقابلہ بارہ یا پندرہ کروڑ نہیں کر سکتے ۔ لیکن یہ روس جس سے تمام دنیا ڈرتی تھی ۔ ہوّا کتنا بڑا ہوّا تھا ۔ مجھے خود معلوم ہے ۔ جب ہم نے سنا کہ روس نے کابل پر حملہ کر دیا اور فوج لائی ۔ تو رونے لگے ہم ۔ کہ یا اللہ یہ تو ایک دو دن میں پاکستان آجائے گا پھر یہ پاکستان میں آج یہ مدارس اور مساجد آپ دیکھ رہے ہیں ۔ یہ بخارا اور سمرقند کی طرح ہوں گے ۔ روسی جب بخارا اور سمرقند آیا تو تمام مدارس کو اصطبل بنایا ۔ اور تمام مساجد کو تماشہ گاہ بنایا ۔

آج ہم بھی ایسے ہوتے یا نہ ہوتے ۔ روس کی کتنی طاقت ہے ۔ کتنی کروڑوں فوج ہے ۔ اس کی پشت پر اس کے اتحادی بھی ہیں ۔ اور اس کے مقابلے میں میرے سامنے خود ایک طالب علم مجاہد نے کہا ۔ کہ میں نے دعا کی یا اللہ میری لاٹھی کو مشین گن بنا دے ۔ دعا میں نے کی ۔ ابھی روزانہ خدا کے فضل سے دارالعلوم حقانیہ کا بہت بڑا حصہ ہے ۔ یہ جو امراء ہیں جتنے بھی طلبا ہیں جتنے بھی فضلا ہیں ۔ اکثر ان میں وہ تیس برس کے پڑھے ہوئے لوگ ہیں ۔ جو جہاد کر رہے ہیں ۔

تو اس نے کہا کہ میں نے یہ دعا کی اور ایک جگہ دو تین ساتھی ایک ساتھ ہم چھپ کر بیٹھ گئے ۔ روسی فوج جب

راستے میں ہم چھپ کر بیٹھے۔ اس میں ہم کیا دیکھتے ہیں۔ کہ آدھی رات جب ہوئی۔ تو وہ روسی جو بیٹھے ہوئے تھے، چوکیدار شراب پی کر بے ہوش ہو گئے۔ وہ طالب کہتا ہے کہ میں خود اٹھا اور اس روسی سے جو شراب پی کر لیٹا ہوا تھا اس سے شین گن لے کر جتنے بھی وہاں تھے سب کو قتل کر ڈالا۔ تو اس نے کہا کہ میری دعا کو اللہ نے قبول کر لیا۔

لاٹھی کو مشین گن بنایا یا نہیں۔ بدر کی لڑائی میں ایسا ہوا۔ بدر کی لڑائی بھی ایسی ہوئی صحابہؓ کی۔ تو میں آپ سے عرض کرتا ہوں۔ کہ آج یہ مدرسے کی برکت ہے۔ دیکھو نا۔ اللہ کی امداد اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ جس میں دنیاوی غرض نہ ہو۔ یہ یاد رکھنا۔ اگر میں جہاد کرتا ہوں۔ اس لئے کہ مجھے وزارت ملے۔ مجھے صدارت ملے۔ مجھے کوئی دولت ملے۔ مجھے کوئی مشین گن ملے۔ مجھے کوئی صوبہ علاقہ ملے۔ پھر امداد نہیں ہوتی۔ سمجھے۔ اور جہاں خالص اس کے لئے ہو تو "ان تنصروا اللہ ینصرکم"، تم اللہ کے دین کی امداد کرو۔ اللہ تمہاری امداد فرمائے گا۔ تو یہ جو ہیں بے دست و پا۔ آپ بھی متعجب ہوں گے۔ کہ یا اللہ یہ بے دست و پا افغانی۔ اور یہ جو طلبا ہیں لڑنے والے ان کے پاس کیا چیز ہے۔ - جو روس اور اس کی فوج کا مقابلہ کرتے ہیں۔ لیکن کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے؟ دو سال سے کر رہے ہیں اور الحمد للہ فاتح بھی یہ ہیں۔ انشاء اللہ۔ اللہ فتح دے گا۔ یہ برکت کیا ہے۔ یہ برکت اس کی ہے۔ کہ یہ جو ہیں داڑھی والے۔ - سنت کے متبع۔ اور خدا کی رضا و خوشنودی کے لئے ہم سے جاتے ہیں۔ تو روتے ہوتے کہ اے اللہ مجھ کو شہید کر دے اس نیت سے وہ جاتے ہیں۔ تو اللہ ان کی امداد کرتا ہے۔ آج اس خبیث روس کو بھی انہوں نے بند کر دیا ہے۔ اور ان کے ساتھیوں کو بھی۔

یہ میں آپ سے عرض کرتا تھا۔ کہ مدرسے کا فائدہ ایک یہ ہے کہ اس پاکستان ہندوستان میں آج گیارہ کروڑ مسلمان ہندوستان میں ہیں۔ ہم جب آ رہے تھے۔ اس وقت سات کروڑ تھے۔ اب دس گیارہ کروڑ ہیں۔ اور اسی طریقے سے الحمد للہ پاکستان اللہ اس کو بھی ترقی دے۔ اور تمام اسلامی ممالک کو اللہ متحد کر دے۔ آپس کے جھگڑوں سے مسلمان کو اللہ محفوظ کر دے۔ اور وہی طالب علم ہیں کہ بے دینی کی لہر جب آ رہی ہے یہ حقیقت ہے مجھے پنڈی کا حال تو معلوم نہیں ہے۔ لیکن خود اپنا حال سن لیں۔ کوئی بھی ایسا میں نے نہیں دیکھا۔ جو تلوار لے کر کہتا ہو۔ کہ میں جہاد کے لئے جاتا ہوں۔ قبائل آتے ہیں۔ طلبا آتے ہیں۔ علماء آتے ہیں۔ ہم سے استفسار لیتے ہیں۔ ہم ان کو ترغیب دیتے ہیں۔ کہ بھائی میں خود اندھا ہوں۔ بیمار ہوں۔ ورنہ جی چاہتا ہے کہ پہلی صف میں جا کر لڑتا۔ لیکن بدقسمتی ہماری ہے کہ اس سے محروم ہیں۔ لیکن عوام بہت کم۔ میں نے نہیں دیکھا۔ کہ اس نے جہاد کی خاطر دعا کرائی ہو۔ ہاں بعض ملازمین ایسے ہیں۔ جو چترال اور ان سرحدات پر۔ وہ کبھی کبھی جب آ جاتے ہیں۔ تو دعا کے لئے آتے ہیں۔ کہ ہم سرحدات پر ہیں، اللہ ان کو فاتح بنائے۔ لیکن یہ برکت مدرسے کی ہے۔ سمجھے۔ میں یہ عرض کر رہا تھا۔ کہ تمام قطار جتنا ہے، نا۔

رسہ پر جتنا مدار ہے۔ اکثر دین کے سب طالب علم بار کے استاد ہیں۔ یا ان کے رہنما۔ یا ان کے دین دار ہیں کہ
ن کو اللہ نے روس کے مقابلے میں اور ان دشمنوں کے مقابلے میں فتح دی ہے۔ تو اب یہ بتائیے کہ ہم نے اگر بیس طلبا
د۔ اگر چالیس طلبا کو قرآن شریف پڑھا دیا۔ تو اس کا معنی یہ ہے۔ کہ ہم نے چالیس جرنیل تیار کر لئے۔ حقیقت
ہے کہ اس مدرسے نے چالیس جرنیل تیار کر لئے۔ اور میں نے آپ سے عرض کیا۔ کہ آپ خود آ سکتے ہیں۔ دارالعلوم
حقانیہ دیکھ سکتے ہیں۔ کہ وہ طلبا کتنے ہیں اور کہاں چلے گئے۔ اور کس قربان کے لئے جان دے رہے ہیں۔ یہ مدرسے
ی برکت ہے۔ کہ وہ جہاد بھی کر رہے ہیں۔ اور جہاد وہ جہاد جائیداد کے لئے نہیں۔ وزارت کے لئے نہیں۔ میں
نے آپ سے عرض کر دیا۔ کہ بارہ کروڑ یا تئیس لاکھ کے مقابلے میں شکست کیوں کھا رہے ہیں۔ وہاں مغربیت ہے
حقیقت یہ ہے وہاں مغربیت ہے۔ وہاں دنیوی لالچ ہے۔ اور یہاں مغربیت کا نام و نشان نہیں۔ پرانے کپڑے
وہ پھٹے پرانے کپڑوں میں، وہ اللہ کا نام لے کر اللہ کی خوشنودی کے لئے لڑتے ہیں۔ تو یہاں امداد شامل حال ہے
روس بھی شکست کھا رہا ہے۔ یہ مدرسے کی برکت ہوئی۔ نا۔ اگر مدرسے میں وہ نہ پڑھتے۔ تو ان میں للہیت
کہاں سے آتی۔ اور وہ کیا جانتے کہ جہاد کیا چیز ہے۔ وہ یہی جانتے کہ جہاد بندوق لینا۔ اور اس کو قبضہ کرنا یہ اس کا
نام ہے۔ لیکن جب اس نے مدرسے میں پڑھ لیا۔ قرآن مجید۔ تو وہ سمجھ گیا۔ کہ جہاد فی سبیل اللہ خدا کے راستے میں۔
ان تنصروا اللہ الخ تم خدا کے دین کی امداد کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

دیکھو نا۔ خدا کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے۔ ہماری نیتوں کا ٹٹول ہے۔ تو اگر تم خدا کے دین کی امداد کے لئے
کھڑے ہو جاؤ۔ تو اللہ تمہاری امداد کرے گا۔ آج ان کو ہم دیکھ رہے ہیں۔ یہ اسلام کی کرامت ہے۔ آیت کا معجزہ ہے
تم دیکھ رہے ہو کہ امداد ہو رہی ہے۔ کہ نہیں ہو رہی۔ بہتی دستوں کی امداد ہو رہی ہے۔ وہ کیوں اس لئے کہ وہ دین کی
خدمت کے لئے کھڑے ہیں۔ جہاں بھی مسلمان دین کی خدمت کے لئے کھڑا ہو گا۔ اللہ اس کی امداد کرے گا ——
—— آپ حضرات کا بہت وقت میں نے لیا۔

دعا | میرے محترم بزرگو! یہ دعا فرمائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اس دارالعلوم کو۔ اس کے کارکنوں کو۔ تمام پاکستان کے
رہنے والوں کو جتنے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سب کو دینی دنیوی ترقی سے نوازے۔ یا اللہ! اپنے فضل وکرم سے
ہم سب پر احسان فرما۔ اللھم ارحمنا بالقرآن العظیم۔ واجعلہ لنا اماماً وھدًی ورحمۃ۔ اللھم ذکرنا منہ ما نسینا۔ وعلمنا
منہ ما جھلنا۔ وارزقنا تلاوتہ آناء اللیل وآناء النہار واجعلہ لنا یارب العالمین۔

یا اللہ تو اپنے فضل وکرم سے ان تمام حاضرین مردہیں۔ مائیں ہیں۔ بہنیں۔ بچیاں ہیں بچے ہیں۔ سب کو اے اللہ
دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا فرما۔ مجھ ناچیز کے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ دین کی خدمت کے لئے صحت عطا
فرمائے۔ اور اللہ جل جلالہٗ استقامت علی الدین عطا فرمائے۔

(باقی صہ ۳۲ پر)

پاکستان آرمی میں

ڈائریکٹ شارٹ سروس کمیشن

ایمان — تقویٰ — جہاد فی سبیل اللہ

شعبہ دینی تعلیمات

آرمی ایجوکیشن کور

پاکستان آرمی کو ایسے باصلاحیت افراد کی ضرورت ہے جو بطور آفیسر دینی معلم کے فرائض سرانجام دے سکیں۔ مطلوبہ قابلیت اور شرائط ملازمت حسب ذیل ہیں۔

۱۔ تعلیمی قابلیت:۔ ایم۔ اے اسلامیات اور فارغ/فاضل درس نظامی۔

نوٹ:۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور سے تخصص کی سند ایم اے اسلامیات کے برابر تصور کی جائیگی۔ ایسے امیدوار جنہوں نے ایم اے اسلامیات کا امتحان دیا ہو درخواست دے سکتے ہیں۔

عمر:۔ ۸ جون ۱۹۸۲ء کو ۳۵ سال تک (پاکستان آرمی کے مولوی صاحبان (ریلیجس ٹیچرز) کیلئے عمر کی کوئی قید نہیں۔

۲۔ کمیشن:۔ آرمی ایجوکیشن کور (شعبہ دینی تعلیمات) میں بطور سیکنڈ لیفٹیننٹ۔

نااہل امیدوار:۔

(ا) جو اس سے قبل دو بار آئی ایس بی/جی۔ ایچ کیو سلیکشن بورڈ کے ذریعے مسلح افواج میں کسی قسم کے کمیشن کیلئے مسترد کر دیئے گئے ہیں۔

(ب) اپیل میڈیکل بورڈ کے ذریعے آرمی/نیوی/ایئر فورس کیلئے نااہل قرار دیئے جا چکے ہوں (آرڈنری میڈیکل بورڈ کے ذریعے نااہل قرار دیئے گئے امیدوار درخواست دے سکتے ہیں لیکن ایسے امیدواروں کو اپیل میڈیکل بورڈ کے ذریعے دوبارہ طبی معائنہ کروانا ہوگا۔

(ج) مسلح افواج یا اس کے کسی بھی تربیتی ادارے سے نااہلی/ڈسپلن کی خلاف ورزی پر نکالے جانے والے افراد۔

(د) برخاست شدہ یا گورنمنٹ سروس سے نکالے دیئے جانے والے افراد یا وہ افراد جن کو سرکاری ملازمت/دوبارہ ملازمت کرنے سے کسی مجاز اتھارٹی نے روک دیا ہو۔

(س) جنہیں کسی عدالت مجاز نے کسی اخلاقی جرم میں سزا دی ہو۔

۳۔ ملازمت کی جگہ:۔ پاکستان میں یا پاکستان کے باہر کسی بھی جگہ۔

۴۔ پیشہ ورانہ تربیت:۔ کمیشن پانے کے بعد ضروری پیشہ ورانہ تربیت دی جائے گی۔

۵۔ طریق انتخاب:۔

(الف) کسی سروس ہسپتال میں طبی معائنہ۔

(ب) تحریری امتحان اور ٹسٹ آئی ایس ایس بی کوہاٹ۔

(ج) انٹرویو/آخری انتخاب جنرل ہیڈکوارٹرز راولپنڈی۔

۶۔ درخواستیں مجوزہ فارم پر پی اے ۳ (پی) اے جی برانچ جنرل ہیڈکوارٹرز راولپنڈی کے نام ۵/- روپے کے کراسڈ پوسٹل آرڈر بنام ڈی۔ پی۔ اے کے ساتھ ۸ جون ۱۹۸۲ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔ درخواستوں کے فارم ریکروٹنگ آفیسرز، سٹیشن ہیڈکوارٹرز، سولجرز بورڈز اور ایمپلائمنٹ ایکسچینج سے ۵/- روپے کا کراسڈ پوسٹل آرڈر بنام ڈی پی اے دکھا کر حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

اسی طرح جو حضرات ایم اے اسلامیات اور درس نظامی (دونوں) کی قابلیتیں نہ رکھتے ہوں وہ بھی درخواست نہ بھیجیں۔

پاکستان برّی فوج

بے لوث خدمت — بے خوف قیادت

PID (ISLAMABAD) ADVT NO. 4752/10

جناب ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب
چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل

حقِ شُفعہ

— اور —

اسلام

وفاقی مجلس شوریٰ کے حالیہ اجلاس میں قانون شفعہ کا مسودہ زیر بحث رہا۔ اب حتمی رائے کے لئے یہ ایوان کی ایک بارہ رکنی کمیٹی کے زیر غور ہے جس میں یہ ناچیز بھی شامل ہے۔ دوران شفعہ کے متعلق کئی ایسی آرار اور خیالات سامنے آئے جو اس اہم فقہی موضوع سے لاعلمی یا غلط فہمیوں پر مبنی کہے جا سکتے ہیں۔ پیش نظر مضمون میں اسلامی نظریاتی کونسل کے فاضل چیئرمین جناب جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب نے عالمانہ انداز میں اس مسئلہ کو سمجھانے کی سعی کی ہے جسے افادۂ عام کے لئے عموماً اور اراکین وفاقی کونسل کے لئے خصوصاً شائع کیا جا رہا ہے۔ "س"

انسانی فطرت دنیاوی زندگی میں استحکام اور امن و سلامتی کی خواہش مند ہے۔ مادی سہولتوں کا حصول اس استحکام کا ایک معروف ذریعہ ہے۔ اس میں جائداد کی طلب بھی داخل ہے۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ وہ جائداد کا بلاشرکت غیرے مالک ہو۔ وہ کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر کسی جائداد میں کئی شریک ہوتے ہیں تو جب تک باہم اتفاق و اتحاد اور اخوت و دوستی رہتی ہے تو ہر شریک اپنے حصے و جائداد سے مستفید ہوتا رہتا ہے۔ لیکن جب ان میں تنہا حصول استفادہ کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے تو آپس میں رنجش اور اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہر شریک دوسرے کو محروم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ صورت اس وقت زیادہ پریشان کن ہوتی ہے جب کہ کوئی شریک اپنا حصہ کسی غیر شخص کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا ہے۔

شفعہ — ایک تمدنی ضرورت | اسلام انسانی تمدنی زندگی کو امن و عافیت سے ہمکنار دیکھنا چاہتا ہے

اور یہ اس وقت ممکن ہے جب کہ اجتماعی زندگی میں باہمی دانست پیدا کر کے ایسے اصول وضع کئے جائیں جن سے انفرادی حیثیت ترقی پذیر اجتماعیت میں عملاً اس طرح تحلیل ہو جاتے کہ ہر فرد رضا کارانہ طور پر ایک دوسرے سے اس طرح مانوس ہو جاتے کہ باہمی زندگی میں تلخی کا شائبہ تک نہ ہو۔ اور انسان بہ حیثیت مجموعی پر امن زندگی بسر کر سکے۔ اس کے لئے ہمسائیگی تمدن کی پہلی سیڑھی ہے جس کے پائیدار تحفظ کے لئے اسلام بہت سے اصول وضوابط رکھتا ہے۔ انہی میں ایک اہم اصول اور ضابطہ "حق شفعہ" ہے۔ جس کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث پر قائم ہے۔ کہ اگر کسی ہمسایہ کا رہائشی مکان یا منفعت بخش زمین یا جائیداد غیر منقولہ فروخت ہو تو شریک جائیداد، شریک فی الحقوق اور ہمسایہ کو یہ حق عطا جائے کہ وہ علی الترتیب اس شے کو مشتری سے جبراً (نہ کہ برضائے معاہدہ) فروخت شدہ قیمت پر حاصل کر سکیں۔

جواز شفعہ اور احادیث | شفعہ کے جواز کے سلسلے میں جو احادیث رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آثار صحابہ سے مروی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجار احق بشفعۃ جارہ ینتظر بہا ان کان غائباً اذا کان طریقہما واحداً (ابو داؤد، مسند احمد ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلعم) نے فرمایا

پڑوسی اپنے شفعہ کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔ اگر وہ غائب (غیر موجود) ہو تو شفعہ کے لئے اس کا انتظار کیا جائے۔ مگر یہ شفعہ اس وقت ہو گا جب کہ دونوں ہمسایوں کا راستہ ایک ہو۔

۲۔ عن جابر قضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالشفعۃ فی کلّ مالم یقسم فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعۃ (بخاری)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلعم) نے شفعہ کا ہر اس چیز میں حکم کیا جو ہنوز تقسیم نہ کی گئی ہو اور شرکت باقی ہو۔ لیکن جب اس کی حدود متعین اور راستے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تو اب (بربنائے شراکت) شفعہ نہیں رہا۔

۳۔ عن جابر قال قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالشفعۃ فی کل شرکۃ لم تقسم ربعۃ او حائطاً لا یحل لہ ان یبیع حتی یوذن شریکہ فان شاء اخذ وان شاء ترک فان باعہ ولم یوذنہ فھو احق بہ (مسلم)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم (صلعم) نے ہر مشترک چیز میں شفعہ کا حکم دیا ہے جب تک اس کی تقسیم نہ ہوئی ہو۔ خواہ وہ مشترکہ چیز مکان ہو۔ یا باغ۔ مالک کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے شریک کو اطلاع دئے بغیر

اسے بیچ ڈالے (بلکہ اسے اطلاع دینی ضروری ہے) پھر شریک کو اختیار ہے کہ اسے لے یا چھوڑ دے لیکن جب مالک اس مکان یا باغ (یا زمین) کو بیچ ڈالے اور شریک کو اطلاع نہ دے تو شریک اس چیز (مکان، باغ یا زمین) کا زیادہ مستحق ہوگا۔

۴- عن ابی رافع قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجار احق بسقبہ

ابو رافع سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
ہمسایہ اپنے قرب و اتصال کے سبب شفعہ کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔

احادیث مندرجہ بالا (۱) و (۲) کے مجموعی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شفعہ شریک اور ہمسایہ دونوں کے لئے ثابت ہے اور حدیث نمبر ۳ میں شے کی تخصیص مکان و باغ (زمین) سے کرنے سے یہ امر بھی ثابت شدہ ہے کہ شفعہ صرف غیر منقولہ اشیاء میں ہے۔ حدیث نمبر ۴ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر جائیداد مشترک ہو تو شریک جائیداد کو اپنے حصے کی فروخت کی قبل از وقت اطلاع دوسرے شرکا کو دینے کی ہدایت ہے۔

شریک جائیداد کا حق شفعہ اسلامی قانون شفعہ باہمی امن و سکون کی خاطر اس شریک کو جو اپنا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہے مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنا حصہ غیر شخص کو فروخت کرنے کے بجائے اپنے شریک کے ہاتھ فروخت کرے اگر وہ شریک نہ خریدنا چاہے تو اسے اختیار ہے۔ ورنہ اگر ایک شریک جائیداد نے اپنا حصہ کسی غیر شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا تو دوسرے شریک کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس خریدار سے اسی قیمت پر "بحق شفعہ" اس حصہ جائیداد کو حاصل کرے۔ تاکہ جائیداد تقسیم کے خطرے سے دوچار ہو کر شئے نئے جائیداد کی تنازعے کھڑے نہ ہوں۔

حق شفعہ کا اصول اور استحسان جس اصول پر حق مبنی ہے وہ یہ ہے کہ جائیداد غیر منقسمہ کا ہر شریک جائیداد کے ہر فرد (UNIT) میں شریک ہے۔ جو شریک اپنا حصہ فروخت کرتا ہے وہ دوسرے شرکا کے حصص کے استفادے میں دخل دیتا ہے جس کی اجازت اس کو بغیر ان کی رضامندی کے نہیں دی جا سکتی۔ یہ نظریہ اصول استحسان (قیاس خفی) پر قائم ہے۔ یہی پابندی دیہی اراضی میں حق گذر آب و سیرابی وغیرہ سے متعلق ہوتی ہے جو زرعی پیداوار کی افزونی اور بالآخر ملکی معیشت کے استحکام کے نقطۂ نظر سے بھی خاص اہمیت کی حامل ہے۔

حق شفعہ اور شراکت فی الحقوق اور ہمسائیگی اسلامی قانون شفعہ، علاوہ شرکت فی البیع کے حقوق کی شرکت کی بنیاد پر بھی جائیداد کے حصول کا حق عطا کرتا ہے۔ مزید برآں جائیداد کی تعلق سے ایک اہم مسئلہ ہمسائیگی کا پیدا ہوتا ہے۔ یقینی طور پر ہر شخص ایسے ہمسائے کو پسند کرتا ہے جو عادات اور رہن سہن میں اس جیسا ہو۔ اسلامی قانون شفعہ معاشرتی امن و سکون کے نیک مقصد کے حصول کے لئے ایک شخص کو یہ حق دیتا ہے کہ اس کی ہمسائیگی میں اگر کوئی جائیداد فروخت ہو رہی ہے تو وہ بحق شفعہ اسے حاصل کر سکے۔ شفعہ کی دو قسمیں ہیں۔

ایک یہ کہ آدمی اجنبی شخص کی ہمسائیگی سے تکلیف نہ پائے۔ اس لئے ناپسندیدہ اجنبیوں کو اس کے پڑوس میں داخل ہونے سے روکا جائے۔ اور دوسری حکمت یہ ہے کہ جائیداد کو تقسیم کی ضرر سے محفوظ رکھا جائے۔

شریعت اسلامی کا امتیاز بنیادی طور پر حق شفعہ اراضیات کے اتصال پر مبنی ہے خواہ یہ اتصال حقیقی ہو یا حکمی یا کسی حق مخلوط کے سبب ہو۔ چنانچہ شرکت ملکیت، شرکت حقوق اور ہمسائیگی اسلامی قانون شفعہ کی تین بنیادیں ہیں۔ جن پر حق شفعہ کی عمارت کھڑی ہے۔ اور یہ امتیاز صرف شریعت اسلامی کو حاصل ہے، کہ دنیا کی تاریخ قانون میں سب سے پہلے شریعت اسلامی ہی اس حق کو قانونی حیثیت و وقعت دی گئی۔ اور اس حق کی حفاظت کے لئے تفصیلی احکام اور قواعد و ضوابط مدون کئے گئے۔

کیا حق شفعہ مفاد عامہ کے منافی ہے؟ جدید تہذیبی دنیا کے بعض ماہرین قانون کا یہ خیال ہے کہ یہ ایک کمزور قسم کا حق ہے اور خاص نوعیت کا حامل ہے۔ اس کا استعمال مفاد عامہ کے منافی ہے (۱۱ کلکتہ ص ۷) کیونکہ یہ مالک جائیداد کے اس حق میں دخل اندازی کرتا ہے کہ وہ اپنی جائیداد اپنے بہترین مفاد کے مطابق فروخت کرے۔ (۹۱ پنجاب ریکارڈ ۱۹۰۸ء) بالفاظ دیگر قانون شفعہ انسان کے اس حق سے متصادم و مزاحم ہوتا ہے جو اسے جائیداد رکھنے اور فروخت کرنے کے سلسلے میں حاصل ہوتا ہے۔ جدید ماہرین قانون حق شفعہ کو سوسائٹی کی معاشرتی ترقی کے منافی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ حق شفعہ مالک جائیداد کے عام حق ملکیت کے ہرگز منافی نہیں ہے۔ اسلامی قانون شفعہ مالک جائیداد کے حق انتقال پر فی نفسہٖ پابندی عائد نہیں کرتا۔ بلکہ فقہاء اسلام کے نزدیک حق شفعہ پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ اپنی جائیداد کسی دوسرے کے حق میں قطعی طور پر منتقل کردے اور وہ معاہدہ بیع اس مالک (بائع) اور مشتری (خریدار) کے حق میں ناقابل فسخ ہو۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ مشتری کا حق خریداری اور جائداد مشفوعہ کو بذریعہ خریداری اپنی ملکیت میں قائم و برقرار رکھنے کا حق ایک حد تک حق شفعہ کے ذریعے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ اور اسے بالآخر شفیع کے حق میں جائیداد مبیعہ سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ لیکن اس امر کو جائیداد رکھنے کے حق کے منافی قرار دینا درست نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ سوسائٹی کی تشکیل میں بنیادی عنصر اہمی امن و سلامتی ہے۔ ایک متمدن معاشرہ میں باہم ایک دوسرے پر یہ معاشرتی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہر ایک شخص معاشرتی سکون کے اصول میں اپنا قرار واقعی حصہ ادا کرے نہ کہ وہ اپنے کسی فعل سے دوسرے شخص کی آسائش اور استفادہ جائیداد کی آزادی میں مخل اور مضرت رساں ہو۔ آزادی کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ جو جی چاہے کرے یا جو اس کے خیال میں جائز و درست معلوم ہو، کر گزرے۔ فرد کی آزادی سے فقہا نے ہمیشہ محدود آزادی مراد لی ہے۔ اور انسانی سوسائٹی کی ترقی و بقا اور فلاح کے لئے انسان کو کچھ قیود و شرائط کا پابند قرار دیا ہے۔ اگرچہ اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے افعال میں آزاد ہو۔ لیکن ساتھ ہی اس پر یہ فرض عائد کیا گیا

ہے کہ وہ اپنے افعال سے دوسرے کی آزادی میں مخل نہ ہو۔ اور نہ دوسرے کو مضرت پہنچانے کا سبب بنے۔ اس اصول کو ہماری عدالتوں نے مناسب پابندیوں (REASONABLE RESTICTIONS) کے عنوان سے اپنی بحثوں کا موضوع بنایا ہے جن کو انتناعی نظر بندی کے قوانین یا دستوری قانون میں بنیادی حقوق کی بحثوں کے تحت عدالتی فیصلہ جات میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مزید برآں قوانین تجارت کے تحت باہمی لین دین میں بذریعہ معاہدہ اس امر کو جائز اور درست تسلیم کیا گیا ہے کہ ایک بائع اپنے مشتری پر مناسب پابندیاں عائد کردے جس کے تحت وہ اگر اس بیعہ کو فروخت کرنا چاہے تو پہلے بائع کو پیش کش کرے۔ جدید قوانین سے ایسی بیشتر مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن میں انسان کی معاشرتی زندگی کے میدان میں بہت سی پابندیاں عائد کردی گئی ہیں جن میں تحدید کرایہ داری (RENT RESTRICTION) حصول جائیداد (ACQUISITION OF PROPERTY) اور انضباط اجارہ داری (MONOPOLY-CONTROL) کے قوانین بیّن مثالیں ہیں۔ لہذا قانون شفعہ پر اس اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ بلکہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو جو فوائد اور اچھے اثرات قانون شفعہ سے معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں ان کے پیش نظر اس قانون کی ضرورت اور افادیت بڑھ جاتی ہے۔ کسی معاشرے کی مہذب اور ترقی یافتہ ہونے کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے افراد کے ضعیف سے ضعیف حق کی بھی ہر ممکن حد تک پاسبانی اور حفاظت کرے۔ اسلامی قانون اس ضمن میں سب سے آگے ہے حتیٰ کہ حق شفعہ کو جو جائیداد کے تعلق سے بلاشبہ ایک ضعیف حق ہے قرار واقعی تحفظ بخشتا ہے۔ اور اس کی ذریعت کو محدود طور پر ہی سہی۔ معاشرے میں باہمی امن و امان کی فضا کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ البتہ وہ اس ضعیف حق کی مصلحت عامہ کے تحت حسب ضرورت پاسداری کرتے ہوئے شفیع کو سختی کے ساتھ ان شرائط کی تکمیل پر آمادہ دیکھنا چاہتا ہے جو حق شفعہ کے ثبوت کے لئے لازم قرار دی گئی ہے۔ مثلاً حق شفعہ کے اثبات کے لئے طلب مواثبت اور طلب اشہاد کی سختی کے ساتھ تعمیل پر زور دیتا ہے چنانچہ یہ حق صرف اسی وقت نافذ کیا جاتا ہے جب کہ صحیح طور پر اس کا وجود تمام متعلقہ شرائط کے ساتھ ثابت ہو جائے۔ حق شفعہ کے ثبوت کے لئے جو قیود احکام شرع میں معین ہیں ثابت نہ ہوں تو دعویٰ خارج ہو جاتا ہے۔

شفیع کی تعریف: شفیع وہ شخص ہے جو جائیداد زیر بیع سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسا شخص یا تو جائیداد غیر منقسم کے شریک مالک کی حیثیت سے اپنے اس تعلق کا اظہار کرتا ہے یا شریک فی الحقوق یا ہمسائے کی حیثیت سے شفعہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ شرکت بطور ملکیت کی بنیاد کے تمام اسلامی مکاتب فقہ میں مسلّم طور پر تسلیم کی گئی ہے۔ لیکن حنفی فقہا اس میں ان لوگوں کو بھی شامل کرتے ہیں جو بائع کی مشارکت میں خاص خاص حقوق آسائش کو

کام میں لانے کے مجاز ہیں۔ مثلاً حق راہ یا حق آب۔ نیز وہ ان پڑوسیوں کو بھی شفیع میں داخل کرتے ہیں جن کی جائیداد سے ملحق و متصل واقع ہے۔ یہ ہر سہ لوگ شفیع کہلاتے ہیں اور انہیں یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ بائع کو مجبور کریں کہ وہ جائیداد کو بجائے ایک غیر شخص یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنے کے جس کو کوئی ایسا تعلق حاصل نہ ہو ان کے ہاتھ فروخت کرے۔

کس جائیداد میں حق شفعہ حاصل ہوتا ہے؟ شفعہ کی بنیادی شرط یہ ہے کہ بیع عقار ہو۔ یعنی جس جائیداد کی فروخت عمل میں آئی ہو وہ غیر منقولہ ہو۔ جیسے زمین۔ کنواں۔ پن چکی۔ مکان وغیرہ۔ نیز یہ کہ ہر عقار (غیر منقولہ) میں حق شفعہ حاصل ہوتا ہے۔ خواہ عقار قابلِ تقسیم ہو یا ناقابلِ تقسیم۔ جیسے حمام، پن چکی یا خاص راستہ۔ یہ نقطہ نظر احناف کا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک عقار ناقابل تقسیم میں حق شفعہ نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قابلِ تقسیم نہ ہونے کے سبب عقار مضرت سے محفوظ ہے۔ لیکن احناف کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے شریک یا ناپسندیدہ ہمسائے کے سبب جو مضرت پہنچے گی وہ قابلِ لحاظ اور موجبِ شفعہ ہے۔

حق شفعہ صرف غیر منقولہ جائیداد میں ہوتا ہے شفعہ کے غیر منقولہ جائیداد سے متعلق ہونے میں ائمہ احناف شوافع اور حنابلہ متفق ہیں۔ گو امام مالک کے نزدیک بعض مخصوص منقولہ اشیاء میں بھی شریک کو شفعہ کا حق حاصل ہوتا ہے۔ شیعہ حضرات بھی منقولہ اشیاء میں حق شفعہ کے قائل نظر آتے ہیں۔ اگرچہ یہ قول صاحب شرائع الاسلام کے بموجب ضعیف ہے۔ قوی قول کے بموجب یہ حضرات بھی فقہا احناف سے متفق ہیں کہ شفعہ کا حق صرف غیر منقولہ جائیداد پر ہوتا ہے۔ صرف عمارت یا درخت "بلا زمین" عقار کی تعریف میں نہیں آتے۔ اس لئے اگر صرف عمارت یا درخت فروخت کئے جائیں تو بالعموم حق شفعہ ان سے متعلق نہیں ہوتا۔ لیکن اگر عمارت اور درخت مع زمین یا صرف زمین فروخت کی جائے تو حق شفع حاصل ہوگا۔ صرف عمارتی ملبہ میں شفعہ نہیں ہے۔ گو کہ وہ اس وقت زمین سے ملحق ہے۔ لیکن قابل علیحدگی ہونے کے سبب منقولہ کے حکم میں ہے۔ یہی صورت درختوں کی یا درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی ہے۔ البتہ اس قاعدہ کلیہ میں صرف ایک استثنا ہے وہ یہ ہے کہ عمارت کی ایک سے زائد منزل ہونے کی صورت میں ہر ایک منزل میں حق شفعہ حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی عمارت سہ منزلہ ہے اور ہر منزل کا راستہ نچلی منزل میں ہے تو اوپر کی ہر دو منزل کے مالک زیریں منزل میں برابر کے شفیع ہوں گے۔ کیونکہ ہر دو شریک فی الطریق ہیں۔ اور اگر اوپر کی منزلوں کا راستہ کسی کوچہ عام میں ہے تو اگر نچلی منزل کی بیع ہوئی تو درمیانی منزل کا مالک اپنے بالائی منزل کے مالک سے مقدم ہوگا۔ اس کے ترک شفعہ کے بعد بالائی منزل کے مالک کو حاصل ہوگا۔ اور اگر درمیانی منزل فروخت ہوئی تو بالائی اور نچلی منزل کے ہر دو مالکان کو برابر کا حق حاصل ہوگا۔ اسی طرح غیر منقولہ کے تابع ہونے کی صورت میں منقولہ میں (غیر منقولہ کے ساتھ) شفعہ حاصل ہوگا۔ مثلاً اراضی کے ساتھ اس پر لگے ہوئے درختوں میں شفعہ حاصل

__ہبہ وصیت ومیراث میں حاصل شدہ جائیداد میں حق شفعہ__ ہبہ، وصیت اور میراث کے عوض حاصل شدہ جائیداد میں حق شفعہ بالاتفاق ثابت نہیں۔ البتہ ہبہ بالعوض یا بشرط عوض میں حق شفعہ ثابت ہو گا۔ کیونکہ ایسا ہبہ بیع کے حکم میں ہوتا ہے۔

__جائیداد موقوفہ میں حق شفعہ__ یہ اصول مسلمہ ہے کہ جائیداد وقف میں شفعہ نہیں ہے۔ اور نہ وقف کے واسطے شفعہ ہے۔ اور نہ وقف کے جوار (پڑوس ہمسائیگی) میں شفعہ ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص کا گھر وقف زمین پر ہو تو اس کے واسطے شفعہ نہیں۔ اور اگر وہ شخص اپنی عمارت فروخت کرے تو اس عمارت میں بھی شفعہ نہیں ہے۔ وقف میں اس واسطے شفعہ نہیں کہ موقوف کی بیع جائز نہیں۔ لیکن اگر شرعاً کسی جائیداد موقوفہ کی بیع کسی وقت جائز قرار دے دی گئی ہو اور وہ بیع کی جائے تو اس کے جوار کے ہمسایہ کو اس کا خریدنا بحق شفعہ درست ہے۔

فمفاده ان مالا یملک من الوقف بحال فلا شفعة فیه وما یملک بحال ففیه الشفعة واما اذا بیع بجواره اذ کان بعض المبیع ملکاً و بعضه وقفا و بیع الملک فلا شفعة للوقف

الدار المختار برحاشیہ رد المختار۔ جلد ۵ صہ ۱۹۵

اصول یہ ہے کہ جو وقف کسی حال میں مملوک نہ ہو سکتا ہو اس میں شفعہ نہیں اور جو وقف کسی حالت میں مملوک ہو سکتا ہو اس میں شفعہ ہے

__معاملات جن میں حق شفعہ حاصل ہوتا ہے__ شفعہ کی دوسری شرط یہ ہے کہ "عقد معاوضہ" ہو یعنی معاملہ دل بدل (CONSIDEATION) کے ساتھ ہو اور مال کا معاوضہ مال ہو جو موجب شفعہ ہو۔ چنانچہ اگر عقد معاوضہ بالمال نہ ہو تو شفعہ پیدا نہ ہو گا۔ ظاہر ہے کہ عقد بلا معاوضہ مال میں جائیداد لینے والا "مشتری" کی تعریف میں داخل نہ ہو گا چنانچہ مہر۔ اجارہ۔ خلع اور قتل عمد کی صلح کے سلسلے میں جائیداد حاصل کرنے کی صورت میں حق شفعہ نہیں ہے۔

__انتقال جائیداد بعوض مہر اور حق شفعہ__ فتاویٰ قاضی خاں۔ ہدایہ۔ الدار المختار اور فتاویٰ عالمگیری میں صراحتاً مذکور ہے کہ انتقال جائیداد بعوض مہر جس میں شفعہ نہیں۔ اس صورت میں ہے جب کہ زوجہ کا مہر ہی گھر یا اراضی قرار دیا گیا ہو اگر مہر میں کوئی رقم مقرر ہوئی اور بعد میں شوہر اس رقم مہر کے عوض زوجہ کے حق میں مکان منتقل کر دے تو اس میں شفعہ ہو گا۔ کیونکہ یہ صورت تبادلہ، مال بہ مال کی ہے۔ مکان اس رقم کا معاوضہ ہے۔ جو مہر کے سلسلے میں شوہر کے ذمہ واجب الادا تھی (الدار المختار مع رد المختار جلد ۵ صہ ۲۰۶

__ہبہ بشرط عوض اور حق شفعہ__ ہبہ بشرط عوض میں ہر دو بدل پر قبضہ ہو گیا تو شفعہ واجب ہو گا۔ کیونکہ یہ عقد بالمعاوضہ ہے۔ لیکن شرط معاوضہ کا صراحتہً مذکور ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ اگر پہلے الف نے ب کے حق میں بلا کسی معاوضہ یا شرط معاوضہ کے اپنا مکان ہبہ کر دیا۔ بعد میں ب نے الف کے حق میں اپنا کوئی مکان یا اراضی بلا کسی عوض یا شرط عوض

کے ہبہ کردی تو دونوں میں سے کسی جائیداد میں حق شفعہ نہ ہوگا۔ کیونکہ انتقال بلا ذکر عوض ہوا ہے اور فریقین کا یہ فعل محض تبرع واحسان شمار ہوگا۔

صفت شفعہ | شفعہ کی صفت یہ ہے کہ بذریعہ شفعہ جائیداد کا حاصل کرنا ابتدائی خریداری کے مانند ہے۔ حق شفعہ مکرر خریداری کا حق نہیں بلکہ دراصل مشتری کے بجائے شفیع کو قائم قرار دلانے کا حق ہے۔ اس لئے شفیع ابتداء ہی سے معاہدہ بیع میں مشتری کی جگہ لے گا۔ چنانچہ جو حقوق بلا ذکر مشتری کو حاصل ہوتے ہیں وہ شفیع کو حاصل ہوں گے مثلاً خیار رویت وخیار عیب اور جو امور بذریعہ معاہدہ شرط کئے گئے ہوں وہ سب شفیع کے ذمہ واجب ہوں گے لیکن اصول یہ ہے کہ شفعہ شفیع کی منفعت کے لئے ہے نہ کہ اس کو ضرر دینے کے لئے۔ چنانچہ فریب دہی کے تاوان کے سوائے دیگر امور میں شفعہ سے بیع کے احکام متعلق ہوں گے۔

سبب شفعہ | شفعہ کا بنیادی سبب ملک شفیع کا خریدی ہوئی جائیداد سے متصل ہونا ہے۔ خواہ وہ اتصال شرکت کی بنا پر ہو یا ہمسائیگی کی جہت سے ہو۔ خواہ شرکت ملکیت (زمین) میں ہو خواہ حقوق میں۔ مگر شرط یہ ہے کہ شفیع جس جائیداد کے ذریعہ سے شفعہ لینا چاہتا ہے وہ شفعہ کے وقت اس کی ملک ہو اور حق شفعہ کی ڈگری صادر ہونے تک ملک قائم رہے ورنہ شفعہ ساقط ہوگا۔ مثلاً زید اپنا مکان فروخت کر رہا ہے۔ عمر کا مملوکہ مکان زید کے پڑوس میں ہے اور اس سے متصل ہے تو اس کو حق شفعہ ہوگا کیونکہ حق شفعہ ملکیت جائیداد غیر منقولہ سے پیدا ہوتا ہے اور ایسی جائیداد پر مؤثر ہوتا ہے جو جائیداد مملوکہ سے ملی ہوئی ہو۔ لیکن اگر عمر عدالت ابتدائی میں مقدمہ ڈگری ہونے سے قبل اپنے اس مکان کو فروخت کردے تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ واضح رہے کہ شفعہ کا اصل سبب "ملک" ہے۔ اس لئے کرایہ یا عاریت پر لی ہوئی جائیدادوں کے اتصال سے حق شفعہ پیدا نہیں ہوتا۔ (رد المختار جلد ۵ ص ۱۹۴۔ بدائع الصنائع جلد ۵ ص ۱۴)

شرکت کے سبب حق شفعہ ہونے کی وجہ | شرکت کے سبب حق شفعہ کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ ایک غیر شخص کا جائیداد میں دخیل ہو جانا موجب فساد اور باعث تکلیف ہو سکتا ہے جس اصول پر یہ حق مبنی ہے وہ یہ ہے کہ جائیداد کا ہر شریک جائیداد کے ہر جز میں شریک ہے لہذا جو شریک اپنا حصہ فروخت کرتا ہے وہ دوسرے شرکاء کے حصص کے استفادے میں دخل دیتا ہے جس کی اجازت بغیر ان کی رضامندی کے نہیں دی جا سکتی۔ حنفیوں کا اس حق میں جار ملاصق (ملحق پڑوسی) کو شامل کر لینا حکم شریعت کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان لوگوں کے ساتھ ایک قسم کی رعایت ہے۔

شفعہ میں مسلم وغیر مسلم میں تفریق نہیں | شفیع کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں۔ ذمی آپس میں اور مسلمانوں کے خلاف مدعی شفعہ ہو سکتے ہیں۔ یہ حق ہندو کو بھی حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ اس کا دعا حسب احکام شرعی کیا جائے۔

چنانچہ ازروئے شرع اگرچہ مشتری ہندو ہو مسلمان شفیع کو حق حاصل ہے اور اس پر شرعی احکام کا اطلاق ہوگا۔
(ابن عابدین (۱۲۵۲ھ) ردالمحتار۔ مصر مطبعۃ السعادۃ ۱۳۲۴ھ جلد ۵ ص ۲۱۹)

عورت، نابالغ، مجنون سب مستحق شفعہ ہو سکتے ہیں۔ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، جعفریہ اور ظاہریہ کے نزدیک حق شفعہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے ہے۔ مگر امام احمد بن حنبل یہ حق ایک غیر مسلم کے لئے بہ مقابلے ایک مسلم کے قبول نہیں کرتے۔

غایہ کے حوالے سے "الدرالمختار" میں لکھا ہے کہ مرتد کو حق شفعہ نہیں ہے (ابن عابدین ۱۲۵۲ھ ج ۵۔ مصر دارالکتب العربیۃ الکبری ج ۵ ص ۱۷۰) اصلاً یہ حق مسلمانوں کو شفعہ کے ایک شرعی قانون ہونے کی حیثیت سے ملا۔ لیکن غیر منقسم ہندوستان کے بعض صوبوں اور ریاستوں میں مسلمانوں کا یہ شرعی قانون "ایکٹ" کی صورت میں نافذ قرار دیا گیا۔ اور اس کا اطلاق ہر مسلم و غیر مسلم پر یکساں طور پر ہونے لگا۔

بمقدمہ اللہ بخش بنام جانو مندرجہ پی ایل ڈی ۱۹۶۲ کراچی۔ ص ۲۱۷ بہ اجلاس منقفہ فاضل ججان جسٹس مسعود احمد و جسٹس وحیدالدین احمد نے قرار دیا کہ مغربی پاکستان کے جن حصوں میں شفعہ کا کوئی قانون موضوعہ (STATUTE LAW) موجود نہیں ان حصوں میں مسلمانوں کا قانون شفعہ صرف مسلمانوں پر لاگو ہوگا۔ نیز یہ کہ حق شفعہ شخصی حق نہیں ہے بلکہ وہ ملکیت جائیداد کے سبب حاصل ہوتا ہے۔

حق ترجیح و ترتیب شفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الشریک احق من الخلیط والخلیط احق من الشفیع" یعنی شریک زیادہ حقدار ہے خلیط سے۔ اور خلیط احق ہے شفیع سے۔ شریک سے مراد شریک ذات مبیع ہے اور خلیط سے مراد شریک حق مبیع ہے۔ اور شفیع سے مراد جار ملاصق (پڑوسی جس کا مکان مشفوعہ سے ملا ہوا ہو) ہے۔ اور ازروئے شرع اسلام، اصول یہ ہے کہ ایک سے زیادہ شفیع ہونے کی صورت میں ترجیح اسے دی جانی چاہیے جس کا دعویٰ بلحاظ تعلق قربت قوی تر ہو۔ اس لحاظ سے شریک جائیداد کو اس شخص پر ترجیح حاصل ہے جو صرف حقوق میں شریک ہو اور حقوق کے شریک کو جار ملاصق پر حق ترجیح حاصل ہے۔ ازروئے شرع اسلام ایک شفیع خلیط کو محض اس وجہ سے شریک مبیع پر حق ترجیح حاصل نہیں ہو سکتا۔ کہ اول الذکر شفیع جوار یعنی ہمسائیگی کے سبب بھی شفعہ کا مستحق ہے۔

پاکستانی قانون پاکستان میں نافذ الوقت قوانین شفعہ پنجاب و سرحد ۱۹۱۳ء و ۱۹۵۰ء کے تحت استحقاق کے لحاظ سے شفعاء کے جو درجات مقرر کئے گئے ہیں وہ اسلامی قانون شفعہ کے مغائر اور مخالف ہیں۔

حق شفعہ کے بارے میں قوانین رائج الوقت اور شریعت اسلام کے تقابلی مطالعے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی قانون غیر منقولہ شہری جائدادوں اور زرعی اراضی و دیہی جائدادوں کے درمیان

حق شفعہ کے اسباب اور استحقاق کے لحاظ سے کوئی تفریق اور امتیاز نہیں کرتا۔ جب کہ پنجاب و سرحد میں نافذ الوقت قوانین کے تحت ان دونوں قسم کی جائدادوں میں فرق روا رکھا گیا ہے۔ چنانچہ قانون رائج الوقت کے تحت زرعی اراضی اور دیہی جائدادوں کے سلسلے میں متوفیٰ ورثا کو حق شفعہ دیا گیا ہے۔ جس کی کوئی نظیر (PRECEDENT) شریعت اسلام میں موجود نہیں۔ نیز شریک فی التخلیط کا لحاظ بھی زرعی اراضی اور دیہی جائدادوں کے سلسلے میں موجود نہیں پایا جاتا۔ مگر متوفیٰ ورثا کو حق شفعہ دینا بالکل نئی چیز ہے جس کی کوئی مثال شریعت اسلام میں نہیں ملتی۔

<u>طلب شفعہ</u> | اسلامی قانون شفعہ میں "طلب" اور اس کے قواعد پر بہت زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ شفعہ کی اطلاع ہوتے ہی شفیع کا فی الفور بیع کو اپنے شفعہ میں طلب کرنا اور کہنا کہ میں شفعہ کروں گا۔ طلب مواثبت کہلاتا ہے۔ بعد ازاں بعجلت ممکنہ بائع یا مشتری یا مبیعہ کے پاس جا کر معہ دو گواہوں کے طلب شفعہ کرنا "طلب اشہاد" کہلاتا ہے اور طلب مواثبت و طلب اشہاد کے بعد عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کو طلب خصومت کہا جاتا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولف ہذا کی کتاب مجموعہ قوانین اسلام جلد ششم)

"طلب" کے احکام "شرعی شفعہ" میں نافذ ہوتے ہیں۔ اگر شفیع کا حق بر بنائے رسم و رواج یا قانون موضوعہ پیدا ہوا ہے تو طلب مواثبت یا اشہاد کے احکام کا اطلاق نہ ہوگا۔ الّا یہ کہ خود قانون میں اس کی صراحت موجود ہو۔ چنانچہ پنجاب و سرحد کے نافذ الوقت قوانین شرعی احکام کے تحت طلب مواثبت اور طلب اشہاد وغیرہ کی ضرورت سے بے نیاز ہیں۔

<u>شفیع قانونی کی موت</u> | صوبہ پنجاب و سرحد میں قانون رائج الوقت کے بموجب حق شفعہ قانونی جو بر بنائے رسم و رواج متعلق جائداد کسی فریق کو پیدا ہوا ہو وہ انتقال جائداد کے ساتھ قائم مقام حقیقت پر منتقل ہو جاتا ہے۔ لہذا قائم مقام کو بالذات بحیثیت قائم مقام حق شفعہ قانونی پیدا ہوتا ہے (آئی۔ ایل۔ آر الہ آباد ج ۳۱ ص ۳ ۶۴۳)

اس کے برخلاف احناف کے نزدیک اگر شفیع طلب شفعہ سے قبل یا بعد مگر صدور ڈگری سے قبل ہو جائے تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اگر صدور ڈگری کے بعد مرے تو حق شفعہ باطل نہ ہوگا۔ سقوط حق کی وجہ یہ ہے کہ حق شفعہ عبارت ہے مجرد حق تملیک بلا ملک سے۔ اور یہ حق صاحب حق کے مر جانے کے بعد باقی نہیں رہتا۔ اس لئے قابل توریث نہیں ہے۔ امام شافعی کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک حق شفعہ قابل ارث ہے۔

سقوط حق شفعہ کی وجہ یہ ہے کہ شفعہ کی ایک صریح شرط یہ ہے کہ جس جائداد کے سبب حق شفعہ حاصل ہوتا ہے بوقت بیع جائداد مشفعہ شفیع کو اس کا مالک ہونا چاہئے۔ ورثار شفیع متوفی اس شرط کی تکمیل نہیں کرتے کیونکہ بوقت بیع وہ اس جائداد کے مالک نہ تھے بلکہ شخص متوفی مالک تھا۔ شفعہ کی دوسری شرط یہ ہے کہ بوقت صدور ڈگری بھی شفیع کو اس جائداد کا مالک ہونا چاہئے جس کے سبب سے حق شفعہ حاصل ہوا ہے۔ شفیع کے انتقال کی وجہ

ہ اس کی ملکیت اس جائداد میں زائل ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس دوسری شرط کی تکمیل بھی نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ شفعہ
فی اور ورثا دونوں کے حق میں بوقت صدور ڈگری بوجہ عدم تکمیل شرائط مذکورہ ثابت نہیں ہوتا۔

راقم الحروف کے نزدیک حق شفعہ کو قابل ارث قرار دیا جانا چاہئے۔ کیونکہ بالآخر اس کا سبب "ملک" ہے جو
کو حاصل ہے۔ نیز یہ کہ یہ حق ملک جائداد کے ساتھ قائم ہے جو ورثا کو مورث کی وفات پر ان کی طرف از روئے
ان میراث بلا توقف منتقل ہوا ہے (تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو موجودہ قوانین اسلام جلد پنجم باب ۳۲-
"حقوق")

پاکستان میں حق شفعہ | ہندوستان میں مغلیہ دور حکومت سے قبل ماسوائے پنجاب کے شفعہ کے نام سے کوئی
مانہ تھا اس کی ابتدا صرف مسلمانوں نے کی دیہی اور شہری جائداد کے متعلق ہوئی۔ البتہ پنجاب کی عدالتوں نے
رعی اراضی اور دیہی جائداد غیر منقولہ کے متعلق ایک قبائلی آئین قرار دیا ہے۔ جس کی بنیاد مقامی رسم و رواج پر ہے
یہاں یہ وضاحت کرنا غالباً ضروری ہے کہ موجودہ قانون رواج کو حق شفعہ کی بنیاد کے طور پر تسلیم کرتا ہے جبکہ
یعت اسلام میں شفعہ کا وجود رواج کا محتاج نہیں بلکہ وہ ایک ایسا حق ہے جو شریعت عطا کرتی ہے ؛

اشاعت قرآن - بقیہ از ص ۲۱

یا اللہ تو اپنے فضل و کرم سے ان تمام بزرگوں اور بھائیوں اور سب کو اے اللہ دنیوی اخروی مقاصد میں
بیابی عطا فرما۔ درجوں کو بلند کردے۔ دارین کی سربلندی ہے۔ ہر کام کی طرف جب بڑھیں تو اس میں کامیابی
دین کی بھلائی ہو۔ تمام بیماروں کو اللہ جل جلالہ شفا عطا فرما۔ جو شہدا ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے درجوں کو
ادے۔ جو کفاروں سے لڑ رہے ہیں۔ تو اللہ ان مجاہدین کی امداد فرما۔

اللہم شتت شمل الکفار۔ اللہم شتت شمل الکفار۔ اللہم دمر دیار الکفار۔ اللہم دمر دیار الکفار۔ اللہم انصر
سلمین والمسلمات۔ یا اللہ تو مسلمانوں کی امداد فرما۔ اے اللہ تو ہماری مشکلوں کو حل فرما۔ اے اللہ تو ہماری مشکلوں
فرما۔ اے اللہ اس دارالعلوم حنفیہ عثمانیہ کو دن دگنی اور رات چگنی ترقی عطا فرما۔ اور تمام اراکین اور معاونین اور
سان، اللہ سب کے درجوں کو بلند کر۔ سب کے مقاصد پورا فرمادے۔ سب کو اللہ پاک دین کی خدمت کی توفیق
رمادے۔ اللہ جل شانہٗ اس کو عظیم الشان دارالعلوم بنادے۔ آمین

اور تمام صاحبوں کے جتنے مقاصد ہیں۔ اللہ پورے فرمائے۔ آپ گرمی میں تشریف لائے ہیں۔ ایک قدم کے
بر ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ اور ایک نیکی عمل نامے میں لکھی جاتی ہے۔ تو ہزار قدم اگر آپ نے لئے ہیں۔ تو
ناہ معاف ہوں گے۔ ہزار نیکیاں ملیں گی۔ اللہ ہمیں بھی عطا فرمائے۔ آمین۔ اور آپ کو بھی۔ آپ نے جو قرآن شریف
شی کی تقریب میں شمولیت کی۔ یہ اللہ ہمارے لئے اور آپ کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین یا الہ العالمین

وفاقی مجلس شوریٰ
۲۲ اپریل ۱۹۸۲ء

سمیع الحق

اسلامی نظام کے نفاذ میں بعض رکاوٹیں

نئی کمیٹیوں کی بجائے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

اسلامی نظام کے نفاذ کی رفتار تیز تر کر دینے کے متعلق جناب مدیر الحق کی قرارداد پر قائم شدہ اسلامائزیشن کی خصوصی کمیٹی کے عبوری رپورٹ پر ۲۲ اپریل ۸۲ء کو وفاقی مجلس شوریٰ میں جناب مدیر الحق نے جو مختصر تقریر فرمائی اسکی وفاقی کونسل کی ضبط کردہ رپورٹنگ پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

★

مولانا سمیع الحق | نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ جناب چیئرمین صاحب! خصوصی کمیٹی کیطرف جو رپورٹ آئی ہے تو وہ درحقیقت رپورٹ نہیں ہے بلکہ رپورٹ کے متعلق جو کارکردگی اب تک ہوئی ہے اس بارے میں مختلف عنوانات کے تحت اشارات کئے گئے ہیں۔ بہت سے احباب کو یہ غلط فہمی لاحق ہوئی کل تقریروں میں اسکا اظہار بھی ہوا کہ اس رپورٹ میں کوئی خاص تجویز نہیں ہے۔ تو اصل میں اس کے بارے میں پہلے ا یہ وضاحت کرنی چاہیئے تھی کہ عبوری رپورٹ زیرِ غور ہے۔ اس میں کئی اہم تجاویز مختلف شعبوں کے بارے میں نظا عدل کے بارے میں، ذرائع ابلاغ کے بارے میں، تعلیم، معیشت کے بارے میں کافی تجاویز زیرِ غور آئیں، اس بحث ہوئی اور ابتداءً صرف یہی طے کیا گیا کہ اسکو آخری شکل نہ دی جائے بلکہ معزز اراکین سے فاضل ممبران سے ا کے بارے میں مزید مشورہ، ہدایات اور آراء طلب کی جائیں تاکہ اسکو آخری شکل دی جاسکے۔ تو بنیادی تعلق ا رپورٹ کا اور اس کمیٹی کا میں سمجھتا ہوں کہ اس کام کے ساتھ تھا جو ابھی تک اسلامی نظام اور اسلامی قوانین کر مرتب کرنے کے سلسلے میں ہوا ہے جو سفارشات ہوئی ہیں کمیٹی اس کا جائزہ لے کہ نفاذ میں کیا رکاوٹیں ہیں نہ یہ کہ از نئے سرے سے کام شروع کرے۔ اسی غرض سے یہ کمیٹی قائم کی گئی تھی۔ اس سلسلے میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے اپنی کا میں بھی اظہار کیا ہے اور بہت سے ارکان کمیٹی نے بھی کہ ہمیں اپنے تمام غور و خوض کو بجائے اس کے کہ ہم نئے سر سے ایک کام کا آغاز کریں اور سفارشات مرتب کریں اور نئے سرے سے نظامِ عدل پر غور کریں۔ نظامِ تعلیم، ذرا

ابلاغ پر غور کریں بلکہ اس کے بجائے اس وقت تک جو سفارشات اسلامی نظریاتی کونسل کے سامنے آئی تھیں اور کمیٹی کے پہلے اجلاس سے دو تین ہفتے قبل کمیٹی کی طرف سے تمام ارکان کو وہ رپورٹیں بھیجی گئیں اور الحمدللہ کہ تمام ارکان نے اس کا جائزہ لیا تو اندازہ لگا کہ بہت بڑا کام ان سفارشات کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ نظام عدل کے بارے میں بھی ذرائع ابلاغ، تعلیم، معاشرت، معیشت، سب کے بارہ میں سفارشات آئی ہیں اور میں یہ عرض کروں گا کہ میں جب اسلامی نظریاتی کونسل کا بار بار اگر ذکر کرتا ہوں تو مجھے اس کے ساتھ کوئی یہ تعلق نہیں ہے کہ وہ کوئی مولویوں کا ادارہ ہے۔ یا یہ کوئی دارالعلوم ہے یا کوئی دارالافتاء ہے۔ بلکہ صدر ایوب خان مرحوم کے زمانے سے نظریاتی کونسل کو قائم کیا گیا پھر ۷۳ء کے آئین میں اسکو اور مزید مستحکم و مضبوط بنایا گیا۔ پھر موجودہ حکومت نے جب اسلامی نظام کیطرف پیش رفت کا ارادہ کیا تو اس کو اور بھی منظم اور مستحکم کیا پھر اس کونسل کا چیئرمین ہر دور میں ملک کا ایک محترم اور نمایاں جج رہا ہے نہ کہ کوئی مولوی اور آئینی طور پر اس کا چیئرمین اگر بن بھی سکتا ہے تو جج ہی۔

جناب جسٹس حمود الرحمٰن صاحب، جناب جسٹس چیمہ صاحب اس وقت بھی جناب تنزیل الرحمٰن صاحب، وہ جج ہیں اور یہ ساری سفارشات وکلاء حضرات اور علماء حضرات اور ماہرین معاشیات کے مشترکہ غور و خوض کے بعد مرتب ہوئی ہیں۔ اب اس کمیٹی کا کام صرف یہ تھا بنیادی طور پر کہ اس راستے میں جو رکاوٹیں ہیں اور جو تاخیر کا سبب بنتی ہیں اس پر غور کرے۔ تو الحمدللہ کمیٹی نے اس مسئلہ پر بھی کافی حد تک غور کیا اور از سر نو بھی کافی سفارشات اس کے سامنے آئیں۔ بنیادی طور پر میرا خیال یہ ہے کہ اسلامی نظام کی طرف پیش رفت میں الحمدللہ یہ سب حضرات مخلص ہیں اور اسی جذبے سے ہم اس ایوان میں آئے ہیں اس مسئلہ میں وکلاء یا علماء کا آپس میں انشاء اللہ تعالیٰ کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن جو سفارشات مرتب ہو کر آگے جاتی ہیں اس حکومت کے زمانے میں نہیں بلکہ ابتداء سے طریقہ کار اتنا لمبا چوڑا وضع کیا گیا ہے۔ اور اتنے مراحل سے وہ سفارشات گزرتی ہیں کہ اس پر کبھی کبھار سالہا سال لگ جاتے ہیں۔ اس کی چھوٹی سی مثال میں آپ کی وساطت سے اپنے معزز اراکین کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔

جناب چیئرمین :- وقت قریب قریب ختم ہو رہا ہے۔ ایک منٹ اور لیجئے۔

مولانا سمیع الحق :- اس قرارداد کے محرک کے طور پر اگر پانچ منٹ دے دئے جائیں۔

جناب چیئرمین :- نہیں ایک منٹ اور۔

مولانا سمیع الحق :- تو طریقہ کار میں کچھ طوالت ہے۔ ضرورت سے زیادہ۔ اگر اس طوالت کو کم کر دیں۔ تو انشاء اللہ ہم مقصد سے جلدی ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ اسکی چھوٹی سی مثال عرض کرتا ہوں کہ ایک سفارش جاتی ہے کہ ایل بی کے پرچے میں ایل ایل بی کے کورس میں اسلامیات یا عربی کا بھی پرچہ ہونا چاہئے۔ یہ ایک متفقہ سفارش ہو جاتی ہے اور سفارش گئی وزارت مذہبی امور تک، وزارت مذہبی امور نے کچھ عرصہ کے بعد اس پر غور کیا

اس نے سوچا یہ تعلیم سے متعلق مسئلہ ہے ۔ پرچہ کا ذکر ہے ۔ کئی مہینوں کے بعد وہ سفارش وزارت تعلیم تک پہ
وزارت تعلیم کو کافی عرصہ بعد جب موقع ملا ۔ فائلوں کے نیچے سے وہ مسئلہ سامنے آیا اور اس میں پانچ چھ مہ
گزر گئے تھے ۔ تو وزارت تعلیم نے سوچا کہ اس میں تو ایل ایل بی کے پرچے کا ذکر ہے یہ مسئلہ تو وزارت قانو
سے متعلق ہے ۔ اب وزارت تعلیم نے اسکو وزارت قانون کی طرف منتقل کر دیا ۔ وزارت قانون کے حکام
کافی عرصہ کے بعد جب اس پر نظر پڑی تو انہوں نے کہا کہ اس پر بار ایسوسی ایشن کی رائے لینا ہو گی ۔ کیونکہ یہ وکا
سے متعلق تھا ۔ پھر ایسوسی ایشن ایک وفاقی ہے پھر چار صوبائی ہیں ۔ جب بار ایسوسی ایشن کے پاس گیا تو اس
سال میں ایک آدھ اجلاس ہوتا ہے ۔ جب ان کا وقت معین ہوتا ہے جب اجلاس ہوا تو انہوں نے کہا کہ اس
صوبائی بار کونسلوں کی رائے بھی لینی چاہیئے ۔ صوبائی بار کونسل کے پاس بھیجا گیا ۔ ان میں تین صوبائی کونسلوں اور ص
بار ایسوسی ایشن نے اسکو مسترد کر دیا ۔ ایک بار ایسوسی ایشن نے اس کے حق میں رائے دی ۔ بہر حال یہ دا
گئی وزارت قانون کیطرف ۔ وزارت قانون نے پھر وزارت تعلیم کو سفارش بھیجی ۔ وہ وزارت تعلیم نے
وزارت مذہبی امور کو سفارش بھیجی ۔ پھر نظریاتی کونسل سے بار بار ان کو توجہ دلائی گئی کہ بہت عرصہ ہو گیا ۔
تو وہاں وزارت مذہبی امور سے شاید ان کا جواب آیا کہ وہ کاپی تو ہمارے پاس نہیں مل رہی ۔ دوسری ایک
کاپی بھیج دیں ۔

—— تو یہ طریقۂ کار ہے اور راستے میں یہ رکاوٹیں ہیں اگر اسکو کم کر دیا جائے ۔ اور ان سفارشات
بارے میں کابینہ بھی ترجیحی بنیادوں پر غور کرے ۔ جب بات کابینہ کے پاس پہنچتی ہے تو وہاں شاید بہت
ہوتا ہے ۔ ایجنڈے پر ۔ اگر ایجنڈے میں اسلامی سفارشات کے سلسلے میں کام کو ترجیحی طور پر نمٹایا جائے
بہتر ہو گا ۔ اور معیشت کی بات ہو رہی ہے ۔ الحمد للہ یہ کمیٹی معیشت کے سلسلے میں بھی کافی حد تک اس
پہ پہنچی ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی جو رپورٹ معیشت کے سلسلے میں آئی ہے ۔ وہ کافی حد تک قابل عمل
اگر معاشی امور کی ڈویژن اسکو نافذ کرنا چاہے تو کر سکتی ہے ۔ یہی حال تعلیم کے بارے میں ۔ ذرائع ابلاغ کے
میں ہے اور تمام امور کے بارے میں ہے ۔ بہر حال الحمد للہ اب وہ رپورٹ اگر ارکان چاہتے ہیں تو اسکو
جامعہ اور مکمل کیا جا سکتا ہے ۔ اور اسکی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تمام ارکان چیئرمین صاحب کے نام اور
درخواست کروں گا کہ اگر وہ کوئی بھی تجویز رکھیں تو میرے پاس بھی اس کی ایک نقل بھیجدیں اور اگلے اجلاس
غور و خوض کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھا سکیں جو قابل عمل ہو سکیں ایسی تجاویز وہ ہمارے پاس بھیج دیں تو جنا
چیئرمین صاحب اور ساری کمیٹی کے ارکان مل بیٹھ کر اس پہ غور کر سکیں اور اس کام کو آگے بڑھا سکیں ۔ اللہ تعالیٰ
جلدی اس مقصد تک پہنچنے کی توفیق دے ۔ شکریہ ۔

نمرود اور فرعون کے شخصی نام

جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب۔ پیرس۔ فرانس

غالباً الحق کے ناظرین کے لئے اتنی معلومات کافی ہوں گی، اگرچہ ان نتائج تک پہنچنے کی دلیلوں کا مزید تفصیل سے بھی ذکر ہو سکتا ہے۔ الحق بابت محرم ۱۴۰۱ میں اس ناچیز نے عرض کیا تھا کہ ڈوب مرے فرعون کے نام کے متعلق میں نے ایک چھوٹا سا مقالہ کراچی کے رسالہ فاران بابت مئی ۱۹۷۷ء میں شائع کیا ہے۔ اب مزید تفصیل کے ساتھ، اور بمبئی کے فاضل پروفیسر عبدالرحمٰن مومن صاحب نے اپنے مفید حواشی کے ساتھ اس کا انگریزی ترجمہ دہلی کے سہ ماہی رسالے "اسلام اینڈ ماڈرن ایج" بابت اگست ۱۹۸۱ء میں شائع کیا ہے۔ یہ رسالہ جامعہ ملیہ دہلی میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم کے یادگار ادارۂ تحقیقات اسلامی کی طرف سے کوئی بارہ سال سے شائع ہو رہا ہے۔

ناظرین کرام کو اندازہ ہوگا کہ قرآن مجید کی تفسیر کے لئے بعض وقت بڑی دور کی کوڑیاں بھی لانی پڑتی ہیں۔ مجھے مطلق ادعا نہیں کہ میری تحقیق ہر کسی کو پسند اور قبول بھی ہو۔ تنقید اور جوابی تحقیق سے علم کی ترقی ہوتی ہے۔ اور یہی قرآنی حکم ہے کہ "قل ربّ زدنی علما۔"

(محمد حمید اللہ۔ پیرس)

قرآن مجید میں جہاں اچھے بادشاہوں کا ذکر ہے، مثلاً حضرت داود، حضرت سلیمان اور طالوت، وہیں برے بادشاہوں کا بھی ذکر ہے، جن میں سے ایک حضرت ابراہیم کا معاصر ہے اور اسے ہم عام طور پر نمرود کے نام سے یاد کرتے ہیں، اور دوسرا حضرت موسیٰ کا ہمعصر یعنی فرعون۔ قرآن مجید میں ان کے نام نہیں ہیں۔ آج انہیں کا کچھ ذکر مطلوب ہے، واللہ المستعان۔

نمرود: قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کا بار بار ذکر ہوا ہے۔ سورۂ بقرہ (۲/۲۵۸) میں ایک خدائی کے

دعویدار بادشاہ سے ان کی حجت کرنے کا ذکر ہے جو بحث میں لاجواب ہوکر مبہوت ہوجاتا ہے (مگر ایمان نہیں لاتا)
سورۂ صافات (۳۷/۹۰ و مابعد) اور سورۂ انبیاء (۲۱/۲۲) میں بیان ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم کو بت شکنی کے "جرم" میں زندہ آگ میں جھونک دیا گیا اور وہ معجزانہ بچ نکلے۔ لیکن وہاں بادشاہ کا ذکر نہیں ہے، لوگوں یا قوم کا ہے۔ لیکن قیاس ہوسکتا ہے کہ یہ "سزا" بادشاہ ہی کے حکم سے دی گئی ہوگی، عوام الناس کیطرف سے نہیں۔ یہ کون بادشاہ تھا۔؟

اسلامی ادبیات میں (اردو میں) اس بادشاہ کو نمرود کا نام دیا جاتا ہے۔ محمد بن حبیب البغدادی ــــ (فوت ۲۴۵ھ، جو ابن قتیبہ کا استاد رہا ہے۔) اپنی کتاب المحبّر (مطبوعۂ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن) صفحہ ۴۶۵-۴۶۶ پر اسے نقطہ دار ذال سے لکھتا ہے۔ اور نمارذۃ کا لفظ بصیغۂ جمع استعمال کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ چھ نمرود گذرے ہیں جن میں سے نمرود بن کنعان بن حام بن نوح حضرۃ ابراہیم والا ہے۔ دوسرے الفاظ میں نمرود لقب ہے، نام نہیں۔ (جسطرح فراعنۃ، فرعون کی جمع ہے۔)

جدید مغرب نے بھی علم کی خدمت کی ہے۔ اور ہمارے موضوع کے سلسلے میں خاص کر اس بات میں کامیابی حاصل کی ہے کہ پرانے غیر معروف خطوں میں لکھی ہوئی عبارتوں کو بھی پڑھیں۔ (میں آج اس تفصیل میں نہیں پڑھوں گا۔ کہ اس میں انہیں کس طرح کامیابی ہوئی، اور ان کے ادعاء کامیابی کو کس حد تک قبول کیا جاسکتا ہے۔؟)
بہرحال بابل (عراق) میں پرانے زمانے میں کیونیئ فارم میں یعنی خط میخی رائج تھا۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سارے حروف میخ کی شکل کی آڑی ترچھی علامتوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ (مثلاً [illegible]) اس زمانے میں کاغذ نہیں پایا جاتا تھا، اس لئے کتابیں اینٹوں کی صورت میں ہوتی تھیں، اور اینٹ ابھی گیلی ہوتی تھی تو اس پر حروف کندہ کر دئے جاتے تھے۔ جو اینٹ کے سوکھنے پر مٹ نہ جاتے اور سیاہی کے مقابلے میں یہ عبارت زیادہ دیرپا ہوتی۔ کھدائیوں میں ایسا ایک کتب خانے کا کتب خانہ ہی برآمد ہوا ہے جس سے ان کی علمی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے۔
قبل اس کے کہ نمرود کے نام کے کتبوں کا ذکر کروں، ایک دلچسپ چیز عہد نبوی کے متعلق عرض کرتا چلوں۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دومۃ الجندل کو فوج بھیجی اور وہاں کا شرارت پسند حکمران اکیدر گرفتار ہوکر حاضر ہوا تو اس سے ایک معاہدہ ہوا اور راوی کے الفاظ ہیں کہ "ختمہ صلی اللہ علیہ وسلم بظفرہٖ" (حضور اکرم نے اس معاہدے پر اپنے ناخن سے مہر ثبت فرمائی۔) اکیدر کا خاندان عراقی تھا، اور واقعۃً ان میخی کتبوں میں ہلال یعنی ناخن کی شکل کی ایک لکیر ہوتی ہے جو ہمارے آج کل کے دستخط کا کام دیتی تھی۔
بہرحال ان بابلی کتابت میں جو میخی خط میں ہیں، ایک بہت بڑے بادشاہ حمورابی کا نام ملتا ہے۔ اس کا زمانہ تقریباً انیس بیس سو برس قبل مسیح متعین ہوا ہے۔ اور یہی زمانہ اسی ملک بابل میں حضرت ابراہیم کا بھی قرار

دیا جاتا ہے۔ اس لئے مغربی اہل علم کا قیاس یا گمان ہے کہ حضرت ابراہیم کے زمانے کے نمرود سے مراد حمورابی بادشاہ ہوگا۔

اس بادشاہ نے ہندوستان کے راجہ اشوک کی طرح، اپنے قوانین و احکام پتھر کے ستونوں پر کندہ کرا کے شائع کئے تھے۔ ایسا ایک کتبہ موجودہ بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں ایران کے سوس نامی شہر میں ملا اور اب وہ پارس کے عجائب خانہ لوور کو زینت بخش ہے۔ اس پر کی میخی خط کی عبارت جو ایک کتاب کی کتاب ہے۔ پڑھ بھی لی گئی ہے۔ اور فرنگی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اس کے دو نکتوں پر بطور جملہ معترضہ ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا۔

پہلے یہ کہ بابلی زبان ایک سامی زبان ہے اور عربی سے کافی قریب۔ چنانچہ کتبے پر کے قانون نامے میں ایک لفظ "مشکینو" آیا ہے جو عربی میں "مسکین" بن گیا ہے۔ اس سے مراد بابلی زبان میں اجنبی کے ہوتے ہیں۔ یعنی وہ اجنبی جو ہمارے ملک میں سکونت پذیر ہو گئے ہوں۔ (اسی بنا پر میرا ناچیز گمان ہے کہ آیت: "انما الصدقات للفقراء والمساکین ...." میں لفظ مساکین کے جو معنے حضرت عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس نے لئے ہیں وہی مرجّح ہیں، یعنی فقراء سے مراد مسلمانوں میں کے غریب اور مساکین سے مراد غیر مسلم اہل الذمہ میں کے غریب۔ حضرت عمر نے ایک یہودی کے متعلق یہ الفاظ استعمال فرمائے تھے کہ ھذا من مساکین اھل الکتاب۔ (دیکھو کتاب الخراج لابی یوسف اور تفسیر الطبری، بہ آیت صدقات)

دوسرا نکتہ اس حمورابی والے قانون میں قصاص سے متعلق احکام ہیں۔ لکھا ہے کہ مقتول کی بنا پر قاتل کو بھی قتل کیا جائے ــــ جو ٹھیک ہے ــــ اور یہ کہ کسی نے کسی اور شخص کے بیل کو مار ڈالا ہے تو قاتل کو شخصاً نہیں بلکہ اس کے بیل کو سزائے موت دی جائے گی۔ جو ایک حد تک گوارا کی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر کسی نے کسی اور کی بیٹی کو جان سے مارا ہو تو قاتل کی بیٹی کو جان سے مارا جائے گا۔ (یہ ہے پرانی منطق جو حمورابی کے زمانے کے "فقہا" کے ذہن نشین تھی۔ الحمد للہ اسلام نے اسے بدل دیا۔)

<u>فرعون</u> | قرآن مجید میں حضرت موسیٰ اور مصر کے حکمران فرعون کا بھی بارہا ذکر آیا ہے، اور تورات میں بھی مماثل قصے ہیں۔ (چونکہ خود قرآن نے فرمایا ہے کہ قل فاتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صادقین، تورات کے اقتباسات میں بظاہر کوئی حرج نہیں) نمرود کی طرح فرعون بھی خدائی کا دعویدار تھا۔ (انا ربکم الاعلی) اس نے حضرت یعقوب کی اولاد کو جو مصر میں سکونت پذیر تھی نیست و نابود کرنے کی یہ تدبیر سوچی تھی ان کی نوزاد اولاد نرینہ کو تو دایاؤں کی مدد سے فوراً قتل کرا دیا جائے، صرف لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے جو کسی یہودی کی جگہ مجبوراً کسی فرعونی مذہب والے مصری سے نکاح کریگی اور اس طرح مصریوں میں ضم ہو کر بنی اسرائیل

کی انفرادیت ختم ہو جائے گی۔ ان ظالمانہ احکام کے نفاذ کے زمانے ہی میں حضرت موسیٰ پیدا ہوئے۔ ماں کو کچھ اور نہ سوجھا تو بچے کو ایک صندوق کیطرح کے گہوارے (تابوت) میں لٹا کر اسے دریائے نیل میں بہا دیا۔ خدا کی حکمت اور قدرت کے کیا کہنے۔ (اللہ یستھزئ بھم ویمدھم فی طغیانھم یعمھون۔ ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین)۔ وہ گہوارا جا کر اٹکا فرعون ہی کے محل کے سامنے، گنّے جیسی لمبی گھاس کے جھنڈ میں (اور قرآن مجید کے مطابق فرعون کی بیوی نے، اور تورات موجودہ کے مطابق فرعون کی لڑکی نے جو دریا میں تیرنے یا نہانے کے لئے آئی ہوئی تھی، استعجاب سے اسے نکالا اور پھر زنانہ شفقت سے اسے محل میں لے گئی۔ غالباً نام بھی اسی نے دیا کہ موسیٰ کے لفظی معنے ہیں پانی سے نکالا، بچایا ہوا۔ مو۔ ماء۔ پانی اور سی۔ أسی۔ مدد و مواسات کرنا) بچے کی فرعون کے محل میں پرورش ہوئی۔ فرعون بھی شفقت کرنے لگا۔ اور جب آپ جوان ہوئے اور فرعون نے حبشہ پر فوج کشی طے کی تو حضرت موسیٰ، پروردۂ شاہی کو سپہ سالار بنایا گیا، اور انہوں نے وہاں ایک حبشن سے نکاح بھی فرمایا جس پر ان کے بھائی حضرت ہارون نے ناپسندیدگی بھی ظاہر کی، جیسا کہ تورات کی روایت ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ مصری نہیں، اسرائیلی ہیں۔ اس لئے جب ایک دن ایک مصری کو دیکھا کہ ایک اسرائیلی کو بے وجہ ایذا پہنچا رہا ہے تو انہوں نے غصّے سے اسے ایک جان لیوا گھونسا مارا (جیسا کہ قرآن اور تورات دونوں میں مذکور ہے اس پر حضرت موسیٰ کے خلاف "وارنٹ گرفتاری" جاری ہوا اور وہ مصر سے چپکے سے روانہ ہو گئے۔ اور مَدْیَن میں جو جزیرہ نمائے عرب کے شمال میں مغربی ساحل پر ہے، جا پناہ گزین ہوئے۔ وہاں قرآن مجید کے مطابق وہ آٹھ یا دس سال مقیم رہے۔ تورات کے مطابق چالیس پچاس سال۔ اور یہ کہ اس اثناء میں پرانا فرعون مر گیا، اور ایک نیا شخص جانشین ہوا۔ اس پر حضرت موسیٰ مصر واپس ہوئے۔ جب کہ تورات کے مطابق ان کی عمر اسّی سال کی تھی۔ آپ نے فرعون کو نصیحت کی جو نہ چلی۔ اس پر آپ نے سارے بنی اسرائیل کے ساتھ جن کی تعداد تورات کے مطابق چھ لاکھ سے زائد تھی ملک چھوڑ کر چلے جانے کی ٹھان لی۔ فرعون کے دو پایہ تخت تھے، ایک شمال میں دریائے نیل کے دہانے اور ڈلٹا میں (یعنی جہاں دریا کئی شاخوں میں بٹ گیا ہے۔ اور شاید ایک کی جگہ پندرہ بیس دریاہائے نیل بن گئے ہیں۔ بنی اسرائیل اسی زرخیز علاقہ ڈلٹا میں شمالی پایۂ تخت شہر رعمسیس میں رہتے تھے۔ دوسرا پایۂ تخت موجودہ شہر قاہرہ کے قرب و جوار میں شہر ممفیس میں تھا۔ اگر بادشاہ شمالی پایۂ تخت میں ہوتا تو غالباً یہودی وہاں سے روانگی کی جرأت نہ کرتے معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ کے جنوب میں ہونے کے زمانے سا فائدہ اٹھا کر وہاں سے روانہ ہوئے اور شہر رعمسیس سے نکل کر یکے بعد دیگرے دریائے نیل کی شاخوں کو عبور کرتے ہوئے وہ جزیرہ نمائے سینا میں داخل ہوئے۔ فرعون

کو جیسے ہی اطلاع ملی وہ تعاقب میں نکلا اور قرآن کے مطابق " یم " کو اور تورات کے مطابق قصب یعنی گنے جیسی لمبی گھاس والے دریا کو عبور کرتے وقت فرعون ان کو جالیا۔ اسرائیلی تو عبور کر گئے، لیکن فرعون اور اس کے کچھ ساتھی، شاید مد و جزر کے باعث ڈوب گئے۔ (عبرانی تورات میں اس مقام کا نام بحر القصب ہے، وہی لفظ جو حضرت موسیٰ کے فرعون کے محل کے سامنے، میٹھے پانی والے دریائے نیل کے گھاس کے جھنڈ کے لئے بھی ہے۔ اس کا کلیسا نے سرکاری طور پر لاطینی ترجمہ کرایا تو وہاں تحریف کر کے بحر قلزم (بحر احمر کر دیا۔ اور متعدد فرنگی زبان کے ترجموں میں بحر احمر ہی ملتا ہے۔ وہاں کھاری پانی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کھاری پانی کے ساحل پر قصب نامی گھاس اگتی ہو۔)

بادشاہ ڈوبا تو یقیناً حوالی موالی دوڑے اور غوطہ خوروں کی مدد سے لاش کو نکال لیا، اور حسب عادت مومیا کر اسے شاہی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ لاش کے بچنے کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ (تورات میں نہیں)۔ اور اب قاہرہ کے عجائب گھر میں قرآن کی زندہ تصدیق بنی ہوئی ہے۔ اس بادشاہ کا کیا نام تھا؟ کتاب المحبّر (ص ۴۶۶-۴۶۷) میں اس کا نام الولید بن مصعب بیان کیا گیا ہے، اور کسی ماخذ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اسلام سے کوئی تین ہزار پہلے کے ایک مصری شخص کا نام خالص عربی میں ہونا دل کو نہیں لگتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ پرانے قبطی (مصری) ناموں کا ترجمہ ہو۔ مگر ہمارے پاس اب دوسرے ماخذ بھی ہو گئے ہیں۔

بابل میں میخی خط تھا۔ تو پرانے مصر میں ہیروغلیفی خط (جس کے لفظی معنے ہیں " مقدس تحریر ") یہ خط تصویری ہے یعنی ہر حرف کسی جانور یا کسی اور چیز کی شکل کی طرح ہوتا ہے مثلاً ۔ فرنگیوں نے اسے بھی پڑھنا سیکھ لیا ہے اور حضرت موسیٰ کے معاصر زمانے کے بادشاہوں کے دو نام پائے ہیں پہلے رعمسیس، پھر اس کا بیٹا، اور جانشین منپ تاح۔ گذشتہ صدی کے اواخر (سنہ ۱۸۸۱ء) میں ان دونوں کی مومیائی ہوئی لاشیں مصر میں مل گئیں اور اب قاہرہ کے عجائب خانے میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ایک پرانے پردی (پاپیرس) کاغذ پر جو کھدائیوں میں ملا ہے، لکھا ہے کہ رعمسیس نے نز سٹھ سال حکمرانی کی آخری عمر میں بیٹا اور ولی عہد منپ تاح نائب السلطنت تھا۔

اگر تورات کا بیان صحیح مانیں کہ حضرت موسیٰ کی مدین میں پناہ گزینی کے زمانے میں ایک فرعون مر گیا تو منپ تاح کو بعد میں ڈوب مرنا چاہیئے، لیکن خود فرنگی فضلاء اور تورات سے اختصاص رکھنے والے پادریوں مثلاً پادری دوو DE VAUX کا خیال ہے کہ تورات کا یہ حصہ مشتبہ ہے اور ناقابل قبول۔ ان حالات میں قرآنی بیان کہ حضرت شعیب کی مہمان نوازی اور گھر دامادی کا زمانہ حضرت موسیٰ کے لئے زیادہ سے زیادہ دس سال کا ہوا، غیر مسلم کے لئے بھی زیادہ معقول اور قرین قیاس معلوم ہوگا، اور ڈوب مرنے والا ~~رعمسیس~~ ہی ہو سکے گا۔ اس کی تائید ایک اور دستاویز سے ہوتی نظر آتی ہے۔

مصر میں ہیروغلیفی خط میں رعمسیس کے جانشین منفتاح بادشاہ کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں وہ لن ترانیاں کرتا ہے۔ کہ اس نے مصر کے مشرق میں لیبیا والوں کو، مغرب میں حطیوں کو (فلسطین میں) فاش شکستیں دیں اور اسرائیل کا نام ونشان تک مٹا دیا۔

یہ کتبہ ایک دوسرے پرانے کتبے کی پشت پر کندہ کیا گیا ہے۔ (کیا ایسے بڑے فاتح بادشاہ کے پاس اتنی رقم بھی نہ تھی کہ ان شاندار فتوح کے ذکر کے لئے ایک نیا پتھر خرید سکے؟) جو بھی ہو، اگر اس نے بنی اسرائیل کو واقعی مصر سے نیست ونابود کر دیا تھا تو پھر حضرت موسیٰ کے ساتھ مصر سے نکلنے والے چھ لاکھ سے زائد اسرائیلی (جن کا تورات میں ذکر ہے) کہاں سے آگئے؟ اگر یہ قتل عام خروج مصر کے بعد ہوا، اور منفتاح نے مثلاً اپنے باپ کی موت کا انتقام لینے کے لئے یہودیوں پر حملہ کیا تو تورات اس سے کیوں ساکت ہے۔ اور یہودیوں کی بے شمار بپتاؤں کے ساتھ ایک مزید کا کیوں ذکر نہیں کرتی؟ اس کتبے میں غلط بیانی ہونے کا ثبوت ذیل کے واقعہ سے شاید مل سکتا ہو۔

منفتاح کے باپ رعمسیس کا بھی ایک کتبہ ملا ہے جس میں وہ بیان کرتا ہے کہ لبنان کے حطی لوگوں نے مصر پر چڑھائی کی تو اس نے ان کو شکست فاش دے کر پسپا کر دیا۔ اتفاق سے حطیوں کی اس جنگ اور معاہدۂ صلح کی اصل دستاویز محفوظ ہے اور اس میں لکھا ہے کہ جنگ کے بعد اس شرط پر صلح ہوئی کہ حطی اپنے سارے مفتوحہ علاقوں پر قبضہ برقرار رکھیں گے، خاص کر جزیرہ نمائے سینا کے بڑے شہر قادیش پر۔

مصری حکمرانوں کی لن ترانیاں گویا عادتی چیز ہیں، اور اگر پدر نتواند پسر تمام کند کا مصداق ہیں۔ دوسرے الفاظ میں منفتاح کا کتبہ کہ اس نے بنی اسرائیل کا نام ونشان تک مٹا دیا، وہ اس بات سے عبارت نہیں کہ ان کو شکست دے کر قتل کیا گیا، بلکہ صرف یہ کہ سارے بنی اسرائیل مصر سے جا چکے ہیں، اس اثنا میں میرا باپ بھی ڈوب کر مر گیا، اور اب میری مملکت میں بنی اسرائیل کا نام ونشان تک باقی نہیں ہے۔

رعمسیس کی جو لاش ملی ہے اس کے منہ میں اس کے تقریباً سارے ہی دانت موجود ہیں۔ (اگرچہ کسی قدر مریض اور اسکی لاش کے معاینہ کر کے حال میں پادریس کے ایک طبیب دندان نے رائے ظاہر کی ہے کہ شاید فرعون دانتوں کے مرض سے فوت ہوا ہے۔) اور صورت شکل سے پچاس ساٹھ سالہ شخص کی معلوم ہوتی ہے۔ اور تر سیٹھ سالہ حکومت ایک افسانہ ہو جاتا ہے۔ اسکی کھوپڑی پھوٹی ہوئی ملی ہے۔ لیکن یہ بات دفن کے بعد بھی کسی زمانے میں پیش آسکتی ہے، جیسا کہ فرنگی محقق ہی بیان کرتے ہیں، اور ہمیں بھی قبول کرنے میں عذر نہیں کہ ایسا ہی ہو۔ بہرحال فرنگی مولف اور ڈاکٹر بیان کرتے ہیں کہ اب لاش سے یہ معلوم کرنا ممکن نہیں کہ رعمسیس یا منفتاح ڈوب کر مرے، یا قدرتی موت سے۔ ان حالات میں تورات کی تفصیل کہ حضرت موسیٰ کے زمانے میں ایک فرعون مر گیا جس نے بنی اسرائیل کو تکلیف دی تھی اور اس کا بیٹا بعد میں ڈوب مرا، صحیح نہیں معلوم ہوتا، اور صحیح یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رعمسیس نامی حکمران ہی وہ فرعون ہے جو دریائے نیل کی ایک شاخ کو عبور کرتے وقت غرق ہو کر مر گیا۔

٭ ٭ ٭

شاہ فضل اللہ الگیلانیؒ اور اُن کے چند نادر خط

پروفیسر محمد اسلم صاحب
شعبۂ تاریخ - پنجاب یونیورسٹی - نیو کیمپس - لاہور

مولانا شاہ فضل اللہ الگیلانیؒ (م - ۱۹۷۹ء) اپنے عہد کے ایک نامور عالم دین، کامیاب استاد اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ایک اہم رکن تھے[1] ان کا تعلق بہار کے ایک ایسے علمی اور روحانی خاندان سے تھا جس نے برعظیم[2] پاک و ہند کے مسلمانوں کی مذہبی، سماجی اور روحانی زندگی پر اپنی سیرت اور کردار کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

مولانا شاہ فضل اللہ نسباً حسنی سید تھے۔ اور ان کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جا ملتا ہے۔ اسی نسبت سے مرحوم اپنے نام کے ساتھ الگیلانی لکھا کرتے تھے۔ ان کے بزرگوں کو علم و فضل کیساتھ تصوف میں بھی رسوخ حاصل تھا اور انہیں اتر پردیش اور بہار کے علاقوں میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ شاہ صاحب کے جدِ امجد مولانا محمد علی مونگیریؒ بانیٔ ندوۃ العلماء لکھنؤ برعظیم پاک و ہند کے علمی اور دینی حلقوں میں کسی رسمی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔

شاہ فضل اللہ ۱۳۳۱ھ میں پیدا ہوئے وہ ابھی سات برس کے تھے کہ ان کے والد سید احمد علی کا عین جوانی کے عالم میں انتقال ہو گیا۔ مولانا محمد علی مونگیریؒ نے انہیں اپنے مرحوم بیٹے کی نشانی سمجھ کر اپنی آغوشِ تربیت میں لے لیا۔ شاہ صاحب نے اپنے جدِ امجد سے علم و فضل کے ساتھ ورع و تقویٰ بھی ورثے میں پایا۔

شاہ صاحب کی ابتدائی تعلیم خانقاہ رحمانیہ مونگیر میں ہوئی۔ ان کے اساتذہ میں مفتی عبداللطیف رحمانیؒ کا نام سرِفہرست ہے۔ استاد و شاگرد کا یہ رشتہ دائمی ثابت ہوا اور استاد نے اپنی بیٹی ہونہار شاگرد کے عقد میں دے دی۔

لوگ عام طور پر شاہ فضل اللہ کو بہاری سمجھتے ہیں اور بہت کم لوگوں کو اس کا علم ہے کہ ان کے آبا و اجداد

---

[1] شاہ فضل اللہ کے حالات کیلئے راقم الحروف کا مضمون ماہنامہ بینات کراچی بابت ستمبر ۱۹۷۹ء میں ملاحظہ کیجئے۔

[2] SUB - CONTINENT کا صحیح ترجمہ برعظیم ہے نہ کہ برصغیر

کانپور کے رہنے والے تھے۔ ان کے جدِ بزرگوار مولانا محمد علی مونگیریؒ اور والد مرحوم سید احمد علی کی عیسائی مشنریوں کے خلاف سرگرمیاں انگریزوں کی نظروں میں کھٹکنے لگیں تو مولانا محمد علیؒ اپنے مرشد شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ کے ایما پر مونگیر چلے گئے جہاں انہوں نے اپنے مرشد کے نام کی رعایت سے خانقاہ رحمانیہ کی بنیاد رکھی۔ مولانا محمد علیؒ کے بعد اُن کے فرزند ارجمند مولانا منت اللہ رحمانی، امیر شریعت بہار و اڑیسہ سجادہ نشین ہوئے اور اُن کی سعی و کاوش سے خانقاہ رحمانیہ نے بڑی ترقی کی۔ ان دنوں یہ خانقاہ بہار و اڑیسہ میں رشد و ہدایت کا ایک عظیم مرکز سمجھی جاتی ہے اور میرے علم کے مطابق یہ بہار میں نقشبندی سلسلے کی واحد خانقاہ ہے۔

مولانا منت اللہ رحمانی، دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور اپنی مادرِ علمی کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں۔ اس کے علاوہ موصوف متعدد علمی اور دینی اداروں کی سرپرستی فرما رہے ہیں۔ شاہ فضل اللہ عمر کے لحاظ سے اپنے چچا مولانا منت اللہ سے پندرہ بیس برس بڑے تھے۔ اس کے باوجود وہ اپنے عم مکرم کا بڑا احترام کیا کرتے تھے۔ مولانا منت اللہ نے راقم کو بتایا کہ وہ جب بھی شاہ صاحب سے ملتے تو چچا ہونے کے ناطے ان کے سر پہ دستِ شفقت پھیرا کرتے تھے۔

شاہ فضل اللہ کی عمر کا بیشتر حصہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن میں گذرا جہاں موصوف مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے رفیقِ کار تھے۔ مؤخر الذکر کی ریٹائرمنٹ کے بعد شاہ صاحب شعبۂ اسلامیات کے سربراہ مقرر ہوئے اور اپنی ریٹائرمنٹ تک اس عہدے پہ فائز رہے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد انہوں نے حیدرآباد میں چمڑے کا کاروبار شروع کیا۔ بزنس کا سابقہ تجربہ نہ ہونے کے باوجود ان کا کاروبار خوب چمکا۔ اپنی وفات سے چند سال قبل شاہ صاحب نے تجارت کا دھندا ترک کر دیا اور مستقل طور پر علی گڑھ چلے آئے جہاں ان کی دو بیٹیاں پروفیسر بیگم رؤفہ اقبال اور ڈاکٹر حنیفہ رضی قیام پذیر تھیں۔

شاہ صاحب نے پہلی بیوی کے انتقال کے بعد حیدرآباد میں ایک معمر خاتون سے نکاح کر لیا تھا۔ اس خاتون سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ یہ خاتون شاہ صاحب کی وفات کے وقت تک بقیدِ حیات تھیں۔ وہ کبھی کبھی حیدرآباد سے علی گڑھ آتیں تو اپنی سوتیلی بیٹیوں کے ہاں قیام کرتیں۔ اس گئے گزرے زمانے میں ماں بیٹیوں کے تعلقات قابلِ رشک تھے۔

شاہ صاحب اولادِ نرینہ سے محروم رہے لیکن خدا تعالیٰ نے انہیں چار بیٹیاں عطا کیں۔ ان میں سے بیگم رؤفہ اقبال نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات پر اور حنیفہ رضی نے سیدنا عبداللہ ابن مسعودؓ پہ تحقیقی مقالے لکھ کر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ شاہ صاحب کی دو بیٹیاں شمالی ناظم آباد کراچی میں مقیم ہیں۔

ایک بار میرے استفسار پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کے بزرگوں کی عمریں طویل ہوتی
،- اس لئے ان کی حدیث کی سند اور سلسلۂ بیعت میں کم از کم واسطے آتے ہیں۔ شاہ فضل اللہ مرحوم نقشبندی
سلسلہ میں اپنے جدّ امجد مولانا محمد علی مونگیریؒ سے بیعت تھے اور انہیں شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے خلافت
ئی[۱] شاہ فضل رحمٰن کو شاہ عبدالعزیز دہلوی کے درسِ حدیث میں بیٹھنے کا شرف حاصل تھا۔ شاہ فضل الرحمٰنؒ
ب شاہ محمد آفاق[۲] دہلوی کے مرید تھے اور انہیں خواجہ ضیاء اللہؒ سے خرقۂ خلافت ملا تھا۔ خواجہ صاحب ،
رت محمد زبیر سرہندیؒ کے مرید تھے اور انہیں اپنے جدِّ امجد حضرت محمد نقشبندؒ سے خلافت ملی تھی۔ حضرت محمد
بندؒ، خواجہ محمد معصومؒ ابن حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فرزند اور جانشین تھے۔ ان دو طرق سے شاہ فضل اللہ
سلسلہ کم سے کم واسطوں سے شاہ ولی اللہؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ سے جا ملتا ہے۔

شاہ فضل اللہ میانہ قد کے بزرگ تھے۔ داڑھی بالکل سفید ہو چکی تھی۔ سر حلق کرواتے تھے۔ گھر سے نکلتے
ر پر سفید رنگ کا عمامہ عالمانہ انداز سے باندھتے تھے۔ پاجامہ کی بجائے دیوبند کٹ کی شلوار پہنتے اور شیروانی
لہ جُبّہ اور اس کے نیچے واسکٹ زیبِ تن فرماتے تھے جس کی ایک جیب میں گھڑی رکھتے تھے۔ ان کے
ے آتے ہی محفل کا رنگ بدل جاتا اور عام دلچسپی کے مسائل سے ہٹ کر ہم لوگ دینی مسائل پر گفتگو شروع
یتے۔ شاہ صاحب کے ساتھ نشست و برخاست سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کا مطالعہ بڑا عمیق اور
رحوم قدیم کے ساتھ جدید علوم سے بھی کماحقہٗ واقف ہیں۔ علم و فضل اور زہد و ورع کے باوجود شاہ صاحب
ے قسم کے زاہد نہ تھے۔ مرحوم جب مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے حلقے میں یا میرے ساتھ بیٹھتے تو ہماری
ن کر خوب ہنستے۔ حیدرآباد میں قیام کے دوران میں اپنا مشاہدہ اور عثمانیہ یونیورسٹی میں آئے دن پیش
ے والے واقعات بڑی تفصیل کے ساتھ سناتے۔ اگر موصوف حیدرآباد کے ہم عصر اہلِ علم و دانش کی سیرت
ار پر قلم اٹھاتے تو آنے والی نسلوں کے لئے ایک بڑا قیمتی ذخیرہ جمع کر جاتے۔

۱۔ اکثر پڑھے لکھے حضرات شاہ صاحب کا نام نامی فضل الرحمٰن لکھتے ہیں جو صحیح نہیں۔ ان کا صحیح نام فضل رحمٰنؒ
ہے جس سے ان کا سالِ ولادت برآمد ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض ثقہ قسم کے دیوبندی حضرات شیخ الہند کا نام محمود الحسن
لکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کا نام محمود حسنؒ ہے۔ بغیر الف لام کے۔

۲۔ شاہ محمد آفاقؒ کا شجرۂ نسب حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پوتے حضرت عبدالاحدؒ المتخلص بہ وحدت سے
ملتا ہے۔ ان کے ہمعصر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر کسی نے نسبتِ مجدّدی مجسم صورت میں دیکھنی ہو تو وہ شاہ صاحب کو
دیکھے۔ شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ نے ایک بار مولانا محمد علی مونگیریؒ کی موجودگی میں فرمایا تھا کہ انہوں نے اپنی زندگی
میں ایسی دکانیں دیکھی ہیں جہاں عشق کا کاروبار ہوتا تھا، ان میں سے ایک دکان شاہ غلام علیؒ چلا رہے تھے اور دوسری
شاہ محمد آفاقؒ نے کھول رکھی تھی۔

شاہ فضل اللہ کی صاحبزادی ڈاکٹر رؤفہ اقبال راقم الحروف کے نام اپنے ایک خط میں تحریر فرماتی ہیں، کہ روپے پیسے کے معاملہ میں ان کے والد بزرگوار کی طبیعت سیدنا عثمان غنیؓ سے ملتی جلتی تھی۔ وہ جو کچھ کماتے تھے اپنے عزیز و اقارب پر خرچ کر ڈالتے تھے۔ ان کی زندگی ہی میں ان کے بعض اعزا ان کی جائداد پر قابض ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس پر صبر کیا اور حرف شکایت زبان تک نہ لائے۔

راقم الحروف کا شاہ فضل اللہ مرحوم کے ساتھ بڑا وقت گزرا ہے۔ علی گڑھ، کراچی اور دیوبند میں ان کا ساتھ رہا ہے۔ میں نے انہیں بڑا خلیق اور منکسر المزاج پایا ہے۔ جب تک جسم میں طاقت رہی موصوف نماز باجماعت ادا کرتے رہے۔ ان کے گھر سے قریب انوار الھدیٰ کمپاؤنڈ میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ شاہ صاحب وہیں نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ میں علی گڑھ میں ہوتا تو نماز سے قبل ان کے ہاں پہنچ جاتا اور پھر اکھٹے ہی مسجد میں چلے جاتے۔

ان کا انتقال ۲۳ مئی ۱۹۷۹ء کو علی گڑھ میں ہوا۔ مومن خان مومن کی زبان میں علم و عمل، فضل و کمال، حسن عمل و شرافت اور زہد و ورع دست بیداد اجل سے بے سروپا ہو گئے۔ علی گڑھ سے آمدہ ایک خط کے ذریعے معلوم ہوا کہ عین عالم نزع میں ان کی دو بیٹیاں اچانک ہی کراچی سے علی گڑھ پہنچ گئیں، شام کے وقت ان کا انتقال ہوا۔ علی گڑھ میں ان دنوں فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے تھے اور سر شام کرفیو نافذ ہو جاتا تھا۔ گرمی کے موسم میں رات بھر میت کو گھر میں رکھنا بھی ممکن نہیں تھا، اس لئے ان کے احباب نے ان کے کفن و دفن میں بڑی عجلت سے کام لیا۔ اور کرفیو نافذ ہونے سے پہلے پہلے اس پیکر علم و عمل کو یونیورسٹی کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا۔ رحمۃ اللہ علیہ واسعاً کثیراً۔

۱۹۸۰ء کے موسم گرما کی تعطیلات میں راقم الحروف علی گڑھ گیا تو ان کی قبر پر بھی فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوا۔ بارش کی وجہ سے ان کی قبر بیٹھ گئی تھی اور اس میں کافی گہرا گڑھا پڑ گیا تھا۔ میں نے ان کی صاحبزادیوں کی توجہ اس جانب مبذول کرائی اور ڈاکٹر عبدالعلیم خان صاحب⁵ کو اس جانب متوجہ کیا۔

شاہ صاحب کے سات خط میرے پاس موجود ہیں۔ یہ بڑے کام کی چیز ہیں۔ ان میں انہوں نے مفتی عبداللطیف اور اپنی کاوشوں کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ شاہ صاحب کی اردو تحریریں نایاب ہیں، اس لئے میں یہ خطوط بطور ہدیۂ قارئین کرتا ہوں۔

---

۵ ڈاکٹر عبدالعلیم خاں نے جمال الدین اسنویؒ کی طبقات الشافعیہ کو بڑی محنت کے ساتھ مرتب کیا ہے۔

مکتوب اوّل

باسمہٖ تعالیٰ شانہٗ

پروفیسر محمد اسلم صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ و ابقاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج گرامی۔ کل میں نے ڈاک سے ایک خط روانہ کر دیا ہے۔ آج کتاب ایک صاحب کے حوالے کی جارہی ہے۔ جو انشاء اللہ آپ کو پہنچا دیں گے[1] جناب علی گڑھ کے پتہ پر رسید سے شاد فرمائیں گے۔ فہرست مضامین بعد میں ارسال ہوگی۔ مقالے کو جن علماء نے پڑھا ہے۔ اُن میں سے بعض کا اصرار ہے کہ لمبے حاشیے بڑے کام کے ہیں۔ ان کو اصل کتاب کا جزو ہی بنا دیا جائے۔ آپ جیسا سمجھیں وہ کریں بعض علماء نے کچھ عبارتوں کو اور واضح کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ انشاء اللہ کسی موقعہ سے اس کو دیکھوں گا کوئی بات سمجھ میں آئی تو خط کے ذریعہ مطلع کر دوں گا۔ والسلام مع الاکرام

فضل اللہ غفر لہ اللہ

نور ولا۔ امیر نشان۔ علی گڑھ۔ نزیل دار العلوم دیوبند

24 - 3 - 70[2]

مکتوب دوم

باسمہٖ تعالیٰ شانہٗ

مکرم و محترم جناب پروفیسر عزیزم محمد اسلم زاد اللہ علمکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مزاج گرامی۔ اپنے بڑے داماد علی صابر فاطمی خبیر امراض النبات وقایت المزروعات وزارۃ الزراعۃ والمیاہ کے برابر اصرار پر ریاض آیا ہوا ہوں۔ ان کی شدید خواہش ہے کہ برخورداری حنیفہ[3] یہاں آجائے۔ انہوں نے درخواست دے دی تھی۔ مجھ کو کہہ دیا کہ وہ نوکر ہوگئی۔ یہ غلط انہوں نے نہیں لکھا۔ وہ مجھ سے زیادہ حسنِ ظن رکھتے ہیں جسے حد سے زیادہ کہنے میں آپ رائے صحیح پر ہوں گے کہ میں جس چیز کے لئے دعا کر دوں وہ ضرور

---

[1] یہاں کتاب سے مراد "عبد اللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ" ہے۔

[2] مولانا نے تاریخ انگریزی ہندسوں میں تحریر فرمائی ہے۔

[3] مولانا کی صاحبزادی ڈاکٹر حنیفہ رضی۔

اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے۔ یہاں جن علماء نے میری کتاب فضل اللہ الصمد[4] دیکھی تعریف کر دی تو انہوں نے رائے قائم
کی کہ فضل کا یہاں بڑا اثر ہے فضل کے (سفارش) کرنے پر افسروں سے ملاقات ہوتے ہی تقرر ہو جائے گا۔
احباب کو کہتے شرم آتی ہے کہ ان کے حسن ظن نے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا اور احباب کو میں نے ان کے کہنے کی بـ
اطلاع کر دی۔ میری خواہش یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے چار بچیوں[5] کو پاکستان پہنچا دیا ہے۔ تو مزید انتشار کیوں
کیا جائے۔ آں عزیز پاکستان میں ہیں۔ عزیزہ حنیفہ کے لئے عربی کے لوگ اور تعلیم کے افسران سے خط و کتابـ
و گفتگو کریں۔ کراچی میں اس کو جگہ مل گئی تھی۔ اس نے ان کی اطلاع پر انکار کر دیا۔ آدمی بہت نیک ہیں۔ مجھ سے غلو
حد تک عقیدت رکھتے ہیں۔ ابتداً میں میری جماعت کی پابندی انہوں نے جو دیکھی ہے تو عقیدت قائم ہو گـ
چونکہ یہاں کوشش کر رہے ہیں۔ اس لئے عربی مقالہ کی یہاں سخت ضرورت ہے[6] اب طباعت
کس منزل پر ہے۔ آپ نے کچھ حواشی متن میں لے لئے ہیں۔ طباعت کی غلطیاں درست کر دی ہیں۔ پروف و
پڑھنے کا کیا نظم کیا ہے۔ اردو نہ جاننے والے عرب بھی مقالہ کے عنوان و عربی حوالوں سے سخت متاثر ہیں۔ [7]
کا پورا حصہ تو نہیں ہے۔ اس کی بڑی یادداشت ہے۔ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مولانا[8] کو اور حضر
نقی صاحب[8] کو میرا سلام اور میرا گھر جانا تحریر کر دیں۔ ان کا اصرار آج بھی ہوا کہ آپ رہ جائیے تو حنیفہ ضرو
جائے گی۔ دیر ہو گی مگر آئے گی ضرور۔ جو عالم آپ سے مل رہا ہے۔ بڑی عزت کرتا ہے۔ دفتر میں انگریزی
کا زور ہے۔ ان کو علماء کی بات ماننی ہوتی ہے۔ مجھے شرم آتی ہے کہ علماء سے کہوں کہ افسران تعلیم سے سفا
کریں۔ عزیزہ سلمہا[9] کو بہت بہت دعا۔ فرزند[10] دلبند کو دلی دعائیں۔ والسلام۔

فضل غفرلہ

خط پر مولانا نے پتہ یوں تحریر فرمایا ہے۔

الیٰ اعز الاحباب محمد اسلم پروفیسر القاکم اللہ تعالیٰ
۹۵۰۔ سمن آباد، الجدید
ندوۃ المصنفین۔ Lahore
پاکستان (مغربی)

عمارۃ السلام، علی شارع المطا
ص ب ۲۰۷
بین الکردان و بین السلیم

(اس خط کا جواب مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے پتہ پر مانگا ہے۔)

---

[4] مولانا نے امام بخاریؒ کی مشہور تصنیف ادب المفرد کی شرح فضل اللہ الصمد کے نام سے لکھی ہے۔

[5] مولانا کی چار بیٹیاں ہیں۔ خدا نے انہیں اولاد نرینہ سے محروم رکھا ہے۔

[6] "عبد اللہ بن مسعود اور ان کی فقہ" کا عربی حصہ ہنوز شائع نہیں ہوا۔ [7] مولانا سعید احمد اکبر آباد

[8] سید علی نقی صاحب المعروف بہ نقن صاحب، سابق صدر شعبہ شیعہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

[9] میری اہلیہ [10] میرا فرزند زُفر۔

مکتوب سوم

باسمہ

رفیع المراتب جلیل المناقب بارک اللہ فی حیاتکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی۔ ۳ نسخے اور وصول ہوئے۔ جزاکم اللہ عزاً وبرّاً
برخورداری حنیفہ سلمہا اللہ کی سرکاری ملازمت کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔ کوئی مشورہ دیں۔ کراچی سے باہر
ہو تو حرج نہیں۔ سرکاری ملازمت ہو۔ جناب محترم کی گفتگو سے اندازہ ہوا تھا کہ حضرت مولانا افریقہ جلد روانہ ہو
جائیں گے۔ اب کب پروگرام ہے۔ مکان دلی میں منتقل ہونے کا اندازہ تھا۔[11] قاضی مظہر الدین صاحب[12] کا مدت
سے خط نہیں ملا ہے۔ دو ہفتہ ہوئے کہ نور دلا سے خط آیا تھا۔ دین الٰہی پڑھ رہا ہوں[13] زیادہ وقت فضل اللہ
الصمد کی تصحیح میں صرف ہو جاتا تھا۔[14] الحمد للہ اب فارغ ہو گیا ہوں۔ راویوں کا جو اشاریہ کتابت ہو کر آیا ہے۔
اس کی تنقیح کر رہا ہوں۔ والسلام[15]

فضل

۱۲ ر اکتوبر ۱۹۷۱ء

مکتوب چہارم

باسمہ تعالیٰ شانہ

ذو العزو الوقار بارک اللہ فی حیاتکم وعلمکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کتابت ۔۔۔ گئی تھی یقین تھا کہ خط ضرور آتا ہوگا ختم رجب پر خط ملا۔ نہ معلوم
کہاں رہا۔ جزاکم اللہ خیراً۔ محبی جناب ایوب قادری ملے ہوں گے۔ ان کے ہاتھ کتابیں روانہ کر دیجئے۔
حضرت مولانا افریقہ جانے والے تھے۔ پاسپورٹ نہیں بنا کہ ویزا نہیں ملا۔ افریقہ سے آکر دلی کا چارج

---

[11] مولانا سعید احمد اکبر آبادی ان دنوں ہمدرد نگر، تغلق آباد، دہلی میں مقیم تھے۔
[12] قاضی مظہر الدین احمد بلگرامی، سابق صدر شعبۂ سُنی دینیات و ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔
[13] میری تصنیف۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر۔
[14] مولانا ان دنوں فضل اللہ الصمد کو دوبارہ چھپوانا چاہتے تھے۔ اس لئے پہلے ایڈیشن کی اغلاط درست کر رہے تھے۔ [15] یہ خط انہوں نے کراچی سے تحریر فرمایا تھا۔

سنبھالنا ہے۔ میری کتاب فضل اللہ الصمد کی کئی علامہ محب اللہ خطیب نے چھاپی تھیں۔ صحابہ، اساتذہ امام بخاری اور درمیانی راویوں کی فہرست دوبارہ کر دی، صاف کرا رہا ہوں۔ فہرست مضامین اور اثنائے شرح میں جو حدیثیں آگئی ہیں۔ ان کی فہرست تیار کر رہا ہوں۔ اثنائے شرح میں امثال آگئی ہیں، ان کا بھی فہرست بنا رہا ہوں۔ جن لغات کا حل شرح میں ہے اس کا فہرست بھی تیار کر رہا ہوں۔ جلد اوّل سے بھی انشاء اللہ کل پرسوں فراغت ہو جائے گی۔ ۵ فہرستیں تیار کر چکا ہوں، ۳ زیرِ ترتیب ہیں۔ اللہ چھپوا دے۔ بینات رجب المرجب کا پرچہ نظر سے گزرا ہوگا[۱۶] یونیورسٹی اور کالج کے علمی مجلات میں بھی تعارف کر جاتے تو شاید کسی شوقین کو توجہ ہو جائے

اللہ آپ کو بہ خیر و عافیت رکھے۔ خیریت سے مطلع کرتے رہیں۔ علی گڑھ میں حضرت مولانا نے کیا کیا؟ عزیزان حنیفہ و عابدہ[۱۷] اپنی بہن[۱۸] کو سلام ہیں۔

فضل غفرلہ۔ ۲ر شعبان ۱۳۹۱ھ

سی ۱۰۶، بلاک اے، شمالی ناظم آباد۔ کراچی ۳۳

مکتوب پنجم

باسمہ تعالیٰ شانہ

ذوالعز والوقار زادکم اللہ رفعۃ فی العلم وبسطۃ فی الرزق وسترکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے مرسلہ نسخے بر وقت پہنچتے رہے[۱۹] عزیزہ حنیفہ سلمہا

علمی تعارف میں اس تصنیف کا اچھا اثر ہوا۔

سر سید کالج کے اسلامیات کے اساتذہ (طبقۂ نسواں) کے باہمی تنافس کی وجہ سے گیارہ ماہ کے نوٹس دیدیا گیا۔ کد و اصرار سے بچنے کے لئے ۶ر جنوری کو علیحدگی اختیار کر لی۔ ۱۴ر جنوری سے گورنمنٹ

---

[۱۶] بینات کے اس شمارہ میں "عبد اللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ" پہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

[۱۷] مولانا کی صاحبزادی عابدہ جو کراچی میں مقیم ہیں۔

[۱۸] یعنی میری اہلیہ کو سلام لکھواتی ہیں۔

[۱۹] "عبد اللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ" میں نے شائع کی تھی۔ یہاں اس کے نسخوں کی وصولی کا ذکر ہے۔

[۲۰] مولانا کو عثمانیہ یونیورسٹی سے پنشن ملتی تھی۔

لج فرٹیر روڈ پر کام کرنا شروع کر دیا۔ بالفعل سو روپیہ کا نقصان اس لئے زیادہ پریشان کن ہے کہ کرایہ
ان ۱۷۰ ماہانہ ملازم ۵۰ ماہانہ کے علاوہ کپڑے دھونے والی اور صفائی والوں کو بھی ماہانہ تنخواہ دینی ہوتی
ہے۔ دھوبی اس کے علاوہ۔ اپنی اُجرت وصول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ میں جاؤں تو اپنی پنشن[۲۰]
ے ان کو بھیجوں۔

حالات نے خط و کتابت کی ہمت نہ دی۔ تین دن ہوئے کہ فضل اللہ الصمد کی نظر ثانی سے فارغ ہوا۔ چند
داشتیں ہیں، ان کے لئے کتابوں کی مراجعت کر رہا ہوں۔ شرح ترمذی کو کامل المتن لکھانا شروع کر دیا ہے۔
ی تصحیح کے لئے کسی اہل علم کی تلاش ہے۔ کاتب کی اُجرت کا اللہ تعالیٰ نے بڑی حد تک سامان کر دیا ہے۔ باقی
امان بھی اللہ تعالیٰ فرما دے (گا)۔ ۳۰۰۰ صفحات کا اندازہ ہے۔ یہ زائد خرچہ اس لئے برداشت کیا ہے۔ کہ
رگی کا بھروسہ تو کسی وقت نہیں مگر ۷۰ سے متجاوز ہو کر ۷۵ والوں میں داخل ہونے ہیں سال سے زیادہ کی کسر ہے۔
ر اللہ تعالیٰ ۲۱ ہزار کا سامان فرما دے۔ تو بٹر پیپر پہ پوری کتاب مع متن بہ طرز فضل اللہ الصمد لکھوا دوں۔
ر پیپر سے پلیٹ پر فوٹو لے کر جب چاہیں جتنے نسخے چھپوا لیں۔ یہاں دو تاجر ہیں مگر ان میں سکت نہیں۔ میں تو حالات
ے جو قلب پر اثر ہے۔ اس کے ازالہ کی تدبیر کے طور پر اس مشغلہ میں لگا ہوا ہوں۔ وہاں علمی و تجارتی دونوں اداروں
ے بات کیجئے۔ دو چھوٹی بچیاں اور ان کی اولاد اعانت کی بہت محتاج ہیں۔ بڑی بہن سلمہا کی سرپرستی سے
لہ تعالیٰ بہت کام چلاتا ہے۔ عربی خط بٹر پیپر پہ ۲۰ × ۳۰ کا کیا نرخ ہے۔ اس میں روشنائی پلیکن استعمال ہوتی
ہے۔ نمونہ خط بھجوا سکیں تو کرم ہو۔

یہ شرح مدرسین کے کام کی ہے۔ نہ مختصر نہ مطوّل۔ (۲) ترمذی میں جو فنون ہیں ان ہی کے مسائل کو پیش نظر
رکھ کر تشریح کی گئی (ہے) فقہ یا ادلہ فقہ شرح کو بنانا مقصد قرار نہیں دیا گیا۔ دوسرے اہل مذہب کے ساتھ بڑا
دب برتا گیا ہے۔ اور فیاضی سے ان کے نقطہ نظر کو پیش کیا گیا ہے۔ حدیث کے لحاظ سے جو امر ثابت ہے۔
س کو پیش کیا گیا ہے۔ جو ضعیف ہے اس پر پردہ نہیں ڈالا گیا۔ " لا نعرف له حجة " بے تکلف لکھ دیا گیا،
یونکہ امام صاحب کی دلیل موجودہ کتب احادیث میں نہیں۔ ان کو حدیثیں اور مذاہب صحابہ اپنے موثق طریقے سے
علوم تھے۔ ارباب صحاح ستہ اور متاخرین تک کسی مسئلہ کی دلیل ضعیف نظر آ رہی ہے تو امام صاحب کے
پیش نظر رہی۔ ضعیف حجت تھی، اس کا دعویٰ ایک منصف نہیں کر سکتا۔ ذی علم اہل حدیث ہماری شرح سے
ستفید ہو سکتا ہے، توافق ضروری نہیں ہے۔ آجکل اہل حدیث ہونے کا دار و مدار صرف حنفی مسائل سے اختلاف

---

۲۰ مولانا کو عثمانیہ یونیورسٹی سے پنشن ملتی تھی۔

پر جن لوگوں نے بنا رکھا ہے وہ اپنا معاملہ خود جانیں۔

فضل اللہ الصمد کی نظر ثانی (کے وقت) اخلاق و معاشرت کے بہت (سے) نئے گوشوں کی رہنمائی، جو الادب المفرد کی روایتوں سے ملتی تھی، اس پر توجہ دلائی گئی ہے۔ اس نوع کی شرح حدیث میں انشاء اللہ یہ پہلی کتاب ہے۔

حضرت مولانا افریقہ تشریف لے گئے؟ کیا موانع پیش آئے۔ دہلی قیام ہو گیا؟ برخورداری[21] کا ایک خط ریاض سے ملا تھا۔ خدا کرے میرا اور اس کی بہنوں کا خط بھی اسے مل گیا ہو۔ گھر میں اور بچوں کو دعائیں کہیں۔ والسلام۔ عزیزہ حنیفہ سلمہا اور اسکی بہن اپنی بہن[22] اور آپ کو سلام لکھواتی ہیں۔ ہاتھ کی کمزوری کی وجہ سے خط پڑھنے میں دشواری ہوگی۔ معاف کر دیں۔

فضل

سی ۱۰۶۔ بلاک اے۔ شمالی ناظم آباد۔ کراچی ۳۳

۲ فروری ۱۹۷۲ء

مکتوب ششم

بسم تعالیٰ شانہ۔ صدیق اکرم پروفیسر محمد اسلم علیک رحمۃ اللہ علیٰ وجہہ الاکمل والاتم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ اللہ تعالیٰ اوقات مسرت میں ملاقات سے شادماں کرے۔ دسمبر میں تشریف آوری کا وعدہ تھا۔ خدا کرے شرح ترمذی کا سامان بھی آپ کے ساتھ آجائے[23] احتیاطاً فہرست لکھ دیتا ہوں۔

۱۔ ترمذی شریف مطبع مجتبائی دو جلد میں جس کے ہر ورق کے بعد ایک سفید ورق لگایا گیا ہے۔ یہ ترمذی شریف کا وہ نسخہ ہے جس پر مولانا مفتی عبداللطیف صاحب میرے استاد نے شرح لکھی ہے۔

۲۔ ترمذی شریف ۹ جلد (نو جلد) مطبع حلب بہ انتظام "عزت سعادت" اس کی دسویں جلد (میں) مختلف فہرستیں ہیں۔ میں جب تک کراچی میں تھا، وہ پہنچی نہیں تھی۔ اگر آجاتی ہے تو دسویں جلد بھی لے لی جائے۔

۳۔ شرح ترمذی صفحہ ۱ سے صفحہ ۱۰۵ تک۔ یہ مفتی صاحب کے سامنے حیدرآباد (دکن) میں لکھی گئی۔ اور حضرت مفتی صاحب نے تصحیح کی۔ اس کے بعد یہ جلدیں میرے پاس حیدرآباد میں رہیں۔ میں اسکی تصحیح و ترمیم

---

[21] برخورداری سے حنیفہ رضی مراد ہے۔

[22] میری اہلیہ، جسے مولانا اپنی بیٹی ہی سمجھتے تھے۔

[23] مولانا بھارت جاتے وقت یہ کتابیں اور مسودات کراچی میں چھوڑ گئے تھے۔

بارہا۔ گیارہ سال کے بعد حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ کتاب پہنچا دو۔ میں لے کر آیا۔ حضرت مفتی صاحب
اس میں بہت سی زیادتی اور قطع برید دیکھی تو بہت خفا ہوئے۔ پھر اسی شرح کو میں نے صاف کرانچی میں
یا ہے۔ جو تقریباً پانچ ہزار صفحات (پر مشتمل ہے) شروع کا ایک ہزار صفحہ میرے پاس یہاں ہے۔

۴۔ ایک ہزار صفحہ کے بعد آپ کو وہاں سے لانے ہیں، خواہ وہ مجلد ہوں یا غیر مجلد۔

۵۔ ترمذی کے راویوں کا تذکرہ بہ تفصیل ذیل:

۵/۱ اُن صحابہ کے حالات جنہوں نے سنن میں روایتیں کی ہیں۔ اور یہ پورا میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔
کاغذ پہ ہیں جو ایک زمانہ میں مکہ معظمہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔

۵/۲ اُن محدثین کے حالات جو امام ترمذی کے استاد نہیں ہیں اور ان کی روایتیں ترمذی شریف میں ہیں۔

۵/۳ صحابہ اور ترمذی کے استادوں کے درمیانی راویوں کے حالات جو تین سو یا کچھ زیادہ ہیں، اور
نوں میں مکہ معظمہ میں جو کاغذ رائج تھا، اس پر لکھے گئے ہیں۔ ان کتابوں کے لئے ڈاکٹر غلام محمد صاحب کو کرانچی
دیں کہ وہ آپ کو بھیج دیں اور آپ مجھے پہنچا دیں[24] اس کے لئے بہت جلد غلام محمد صاحب کو خط لکھ دیں
کب تشریف لا رہے ہیں، اس سے مطلع کیجئے۔ یہاں کے حالات اخبار سے پڑھ چکے ہوں گے۔[25] اچھا
۔ پندرہ روز اور دیر کر کے آئیں۔ مولانا غلام محمد صاحب، کا پتہ: 33-D-Officers Colony, Garden Road, Karachi-3

مکتوب ہفتم[26]

بسمہ تعالیٰ شانہ۔ مخلص عزیز بارک اللہ فی عمرکم و مشاغلکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے والد کی برکتوں سے فیضیاب کرتا رہے۔ آپ کو جو
نے خط لکھے ہیں، اس کا جواب نہیں آ رہا ہے۔ کچھ پتہ نہیں چلتا خط پہنچے کہ نہیں پہنچے۔ حضرت مولینا
شرف علی صاحبؒ کے بھانجے کے پاس اطلاع آئی تھی کہ اب آپ کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں ہے۔
کو جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ لکھتا ہوں۔

---

[24] افسوس صد افسوس کہ مسودات، ہنوز کراچی میں ہیں۔ ڈر ہے کہ کہیں ضائع نہ ہو جائیں اور دو بزرگوں کی
زندگی بھر کی محنت رائگاں جائے۔ مولانا منت اللہ رحمانی کو اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہئے۔

[25] ان دنوں علی گڑھ میں فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے تھے۔

[26] یہ خط مکتوب ششم کے ساتھ ایک ہی ایروگرام پر لکھا گیا ہے۔ یہ غلام محمد صاحب کے نام ہے۔

۱۔ ترمذی شریف مطبع مجتبائی دو جلدیں ۲۔ ترمذی شریف ۹ (نو) جلد مطبع حلب بہ انتظام "عزت سعادت" اسکی دسویں جلد مختلف فہرستیں ہیں۔ ۳۔ شرح ترمذی ص۱ سے ص۱۸۵ مکتوب حیدر آباد۔ ۴۔ اور اسکی نقل میں نے کراچی میں کرائی ہے۔ مولوی صغیر احمد صاحب شاعف سے شروع کے ایک ہزار صفحات میرے پاس (ہیں) اس کے بعد کے ... ۴ صفحات مجھے چاہئیں۔ ۵۔ ترمذی کے راویوں کا تذکرہ (۵/۱) ان صحابہؓ کے حالات جنہوں نے سنن میں روایتیں کی ہیں۔ یہ پورا (مسودہ) میرے ہاتھ کا لکھا (ہوا) ہے۔ (۵/۲) ان محدثین کے حالات جو امام ترمذی کے استاد نہیں ہیں اور جن کی روایتیں ترمذی میں ہیں۔ (۵/۳) صحابہ اور ترمذی کے استادوں کے راویوں کے حالات جو تین سو یا اس سے کچھ زیادہ ہیں۔

برخوردار رؤفہ[27] سلمہا کے مقالہ[28] کے ساتھ یہ چیزیں میرے پاس آجائیں۔ شکرگذار ہوں گا۔ یہ کتابیں پروفیسر محمد اسلم صاحب کو جلد بھجوا دیجئے کہ جب وہ آئیں گے لیتے آئیں گے۔ آنکھ میں پانی آگیا ہے نظر نہیں آتا اور آنکھ کے پردے اس قدر باریک ہیں کہ آپریشن میں ڈر ہے کہ ڈاکٹر سے سنبھل نہ سکیں گے۔ والد صاحب کو اور گھر میں احباب کو سلام۔ انعام سلمہٗ اور بچی کو دعا۔ والسلام

بھائی کو دعا۔ آج کل سیّد صاحب کے داماد سید حسین صاحب یہیں آگئے ہیں۔ ابھی چار یا پانچ لڑکے زیر تعلیم ہیں۔ والسلام[29]

فضل اللہ غفرلہٗ

---

[27] مولانا کی صاحبزادی مسز رؤفہ اقبال، موصوفہ گرلز کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اسلامیات پڑھاتی ہیں۔
[28] مسز رؤفہ اقبال کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ جسے مولانا کراچی میں طبع کرانا چاہتے تھے۔
[29] اس خط پر تاریخ نہیں لکھی، ڈاک خانے کی مہریں بھی نہیں پڑھی جاتیں، صرف JAN پڑھا جاتا ہے۔

پاکستان نیوی کی ایجوکیشن برانچ میں نائب خطیب، خطیب اور خطیب اعلیٰ کی اسامیوں کے لئے پاکستان کے مرد مُسلمان شہریوں سے درخواستیں مطلوب ہیں، جو مندرجہ ذیل اہلیت رکھتے ہوں:

کم از کم تعلیمی قابلیّت

برائے نائب خطیب، کسی منظور شدہ دینی تعلیمی ادارے سے درسِ نظامی کی فارغ / فاضل سند اور کم از کم سیکنڈ ڈویژن میں میٹرک پاس ہوں۔ زیادہ قابلیّت و تجربہ رکھنے والے امیدواروں کو خطیب اور خطیب اعلیٰ بھرتی کرنے کے لئے غور کیا جائے گا۔

عُمر

۲۷ مارچ ۱۹۸۲ء کو ۳۶ سال سے کم ہو۔ (بہتر تعلیم یافتہ اور تجربہ کار امیدواروں کے لئے عمر میں رعایت ممکن ہے۔

تنخواہ، عُہدہ اور مراعات

تنخواہ چیف پیٹی افسروں کے ضابطہ تنخواہ کے مطابق دی جائے گی۔ انتخاب کے بعد امیدواروں کو پاکستان نیوی میں چیف پیٹی افسر کے برابر عُہدہ دیا جائے گا۔ تمام مراعات اور فوائد یعنی مُفت راشن، مُفت رہائش، طبّی علاج اور چھٹی کی سُہولت پاکستان نیوی کے مروّجہ قوانین کے مطابق دیئے جائیں گے۔

وردی

نائب خطیب، خطیب اور خطیب اعلیٰ چیف پیٹی افسروں والی وردی نہیں پہنیں گے، بلکہ وُہ لباس جو کہ اُنہیں پاکستان نیوی کی طرف سے مُفت مہیّا کیا جائے گا، پہنا کریں گے۔

طریقۂ انتخاب

الف: اُمیدواروں کو ابتدائی امتحان کے لئے نیول انٹرویو بورڈ کے سامنے پیش ہونا ہوگا۔

ب طبّی مُعائنہ

ج: بھرتی کے بارے میں قطعی فیصلہ نیول ہیڈکوارٹرز قابلیت کی بنیاد پر ہوگا۔

سفر یا رہائش کے لئے کوئی بھتّہ نہیں دیا جائے گا۔

مزید معلومات کے لئے آپ مندرجہ ذیل میں سے کسی سے رابطہ قائم کریں:-

(الف) نیول ہیڈکوارٹرز (ڈائریکٹوریٹ آف ریکروٹمنٹ) اسلام آباد

(ب) نیول ریکروٹنگ آفس، ۷- لیاقت رفیقی شہید روڈ، کراچی۔

(ج) نیول ریکروٹنگ آفس، ایف ظفر روڈ، لاہور کینٹ۔

(د) نیول ریکروٹنگ آفس، ڈی- ۸۵ سکستھ روڈ، سٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی۔

نیول ہیڈ کوارٹرز (ڈائریکٹوریٹ آف ریکروٹمنٹ) میں درخواستیں وصول کرنے کی آخری تاریخ ۲۶ جون ۱۹۸۲ء ہے۔

PID ISLAMABAD

پٹرول کے خرچ میں انتہائی بچت

CHARADE شاراڈ
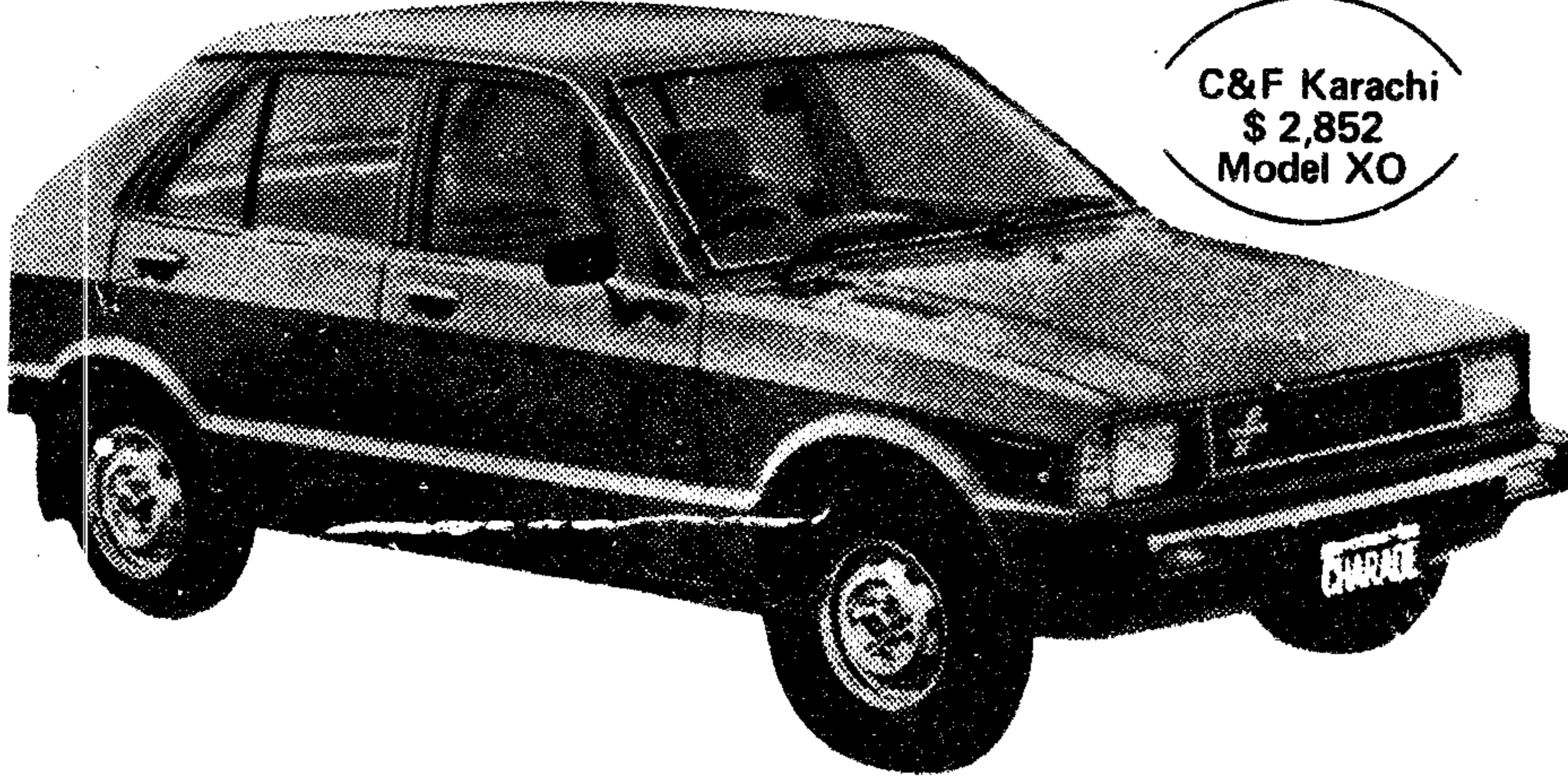
خوبصورت، آرام دہ، باوقار

اب بغیر مزید قیمت کے 5 اضافی اشیاء کے ساتھ

☐ ریڈیو اے ایم ☐ سائڈ پروٹیکٹ مولڈنگ
☐ کارپٹ ☐ سگریٹ لائٹر ☐ بڑے سائز کا ربیزن بمپر

انتخاب کے لئے 3 ماڈل — XO اسٹینڈرڈ پیک، XG ڈیلکس پیک اور XTE رائل ڈیلکس پیک — 12 جدید دلکش رنگوں میں دستیاب ہیں۔

مؤثر بعد از فروخت سروس اور فاضل پرزہ جات کی سہولتیں ملک بھر میں ہمارے ڈیلروں سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

ہوم ڈیلیوری اور گفٹ اسکیم کے تحت بکنگ کے لئے ہم سے یا ہمارے مقرر کردہ ڈیلروں سے رجوع کیجئے۔

گندھارا موٹرز لمیٹڈ
فوکس ویگن ہاؤس۔ بیومونٹ روڈ۔ کراچی
Phones : 510601, 512601
Cable : "GHANDHARA" Karachi
Telex : 24495 GTR PK

G.M.L 346-11-81

افکار واخبار

مجلس شوریٰ میں شمولیت مزید چند اہل علم وارباب اخلاص کی نظر میں

بنظر گاہ توجہات اور دعا | اللہ رب العزت نے آپ کو اس نازک دور میں ملک وملت کی خدمت کا موقعہ عطا فرمایا
ازراہ کرم قادیانیوں کے متعلق جو مطالبات عرضداشت میں درج کیے گئے ہیں۔ وفاقی مجلس شوریٰ کے آنے والے
سیشن میں ان مطالبات کی بھرپور حمایت فرما کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل فرمائیے
(حضرت مولانا) فقیر خان محمد امیر مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

قادیانیت کے سلسلہ میں آئینی ترمیم کی بحالی کے متعلق آپ حضرات کی مساعی کا بھی بہت بہت شکریہ جزاک اللہ تعالیٰ
خیرالجزاء۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی مساعی کو قبول فرمائے۔ اور اس دور کے فتن سے دین حقہ اسلام کی
خدمت وصیانت کی مزید برآں توفیق رفیق گردانے۔ آمین

تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۷۴ء میں تو آپ براہ راست شریک رہے ہیں ملت اسلامیہ کے موقف کی تیاری میں آپ
کا بہت سا حصہ ہے۔ آپ پر اس موقف کی حفاظت کی ذمہ داری بھی آپ کا اپنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس
فریضہ کی ادائیگی کی کما حقہ توفیق نصیب فرمائے۔ آمین   فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ خانقاہ سراجیہ کندیاں (دعا لیہ ایک
طویل مکتوب گرامی کا اقتباس)

ختم نبوت آرڈی ننس پر اظہار تشکر | مجلس تحفظ ختم نبوت کی مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس ۲۵-۲-۸۳ء کو
حضرت الامیر مولانا خان محمد دام مجدہم کندیاں شریف کی صدارت میں منعقد ہوا جس کی کارروائی آں جناب کے مطالعہ کے
لئے ارسال خدمت ہے۔

اجلاس نے آپ حضرات کی کوششوں پر اظہار تشکر کیا۔ قرارداد ۶ جناب توجہ فرمائیں۔
امید ہے کہ شوریٰ کے آئندہ اجلاس میں بھرپور کوشش فرمائیں گے۔ بندہ اس اجلاس سے قبل شرف زیارت حاصل
کرے گا۔ اگر ہو سکے تو حضرت استاذ العلماء دامت برکاتہم کی خدمت میں سلام اور دعا کے لئے عرض کردیں۔
دعا گو محمد شریف جالندھری دفتر ختم نبوت ملتان۔

منظور شدہ قرارداد ۶ کا متن یہ ہے:-   ۶۔ یہ اجلاس صدر مملکت اور ان کے رفقا خصوصاً راجہ ظفرالحق

صاحب کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ ۱۴، رکی قادیانیوں سے متعلق دوسری آئینی ترمیم کی تنسیخ کو ختم کرنے کا آرڈی ننس جاری کر کے مسلمانوں کی تشویش کو رفع کیا۔ نیز مجلس شوریٰ کے معزز ارکان جناب قاری سعید الرحمٰن صاحب اور جناب مولانا سمیع الحق صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں مجلس شوریٰ کے سامنے مسلمانوں کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی۔

○ محترم المقام جناب مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم کے بعد واضح رہے کہ آپ کا وفاقی مجلس شوریٰ میں داخل ہونا قابل اعتراض اقدام نہیں ہے حق گو علماء کی ہر میدان میں ضرورت ہے۔ صدر صاحب کے ساتھ ان کے نیک ارادوں میں تعاون نہایت ضروری ہے۔ ان کی صدارت بہت سے مظلوموں کی آہوں اور لا تعداد صالحین کی دعوات کا ثمرہ ہے۔ مشوروں میں ایک اہم مشورہ یہ ہے کہ مرزائیوں کے ساتھ ہاتھ لگانا بھی سامری کے ساتھ ہاتھ لگانا ہے۔ اس میں حکومت کی بدنامی اور مرزائیوں کی ہر بلا جیسے خراب نتائج نظر آتے ہیں۔ نفط والسلام علیکم۔ اس کے انسداد کے لئے بھی سعی جاری رکھیں۔

(حضرت مولانا) محمد فرید عفی عنہ مفتی و شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

○ آپ کی شوریٰ کی سرگرمیوں کا کچھ پتہ چلتا رہا۔ آپ کی مساعی جمیلہ اور شریعت کے نفاذ کی کوششوں سے دلی خوشی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید ہمت اور جرأت عطا فرمائے۔ اور ہر قسم کی لالچ و خوف سے بے نیاز کر کے ہر حال میں حق کی حمایت اور توفیقات سے نوازتا رہے۔ اور آپ کے نیک مقاصد میں آپ کو کامیاب فرمائے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحب صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی

○ الی فضیلۃ الشیخ المولی سمیع الحق سلمہ الملک الحق

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ اما بعد

فبصمیم القلب وخلوصہ اقدم الیک التبریک بتر شحک رکناً للمجلس الملّی وفرداً من افرادہ المعظمۃ المکرمۃ فارجو من اللہ الکریم وعظیم توفیقہ ان یوفقک لاظہار ما فی الدین القویم من حسن تنظیمہ وتنفیذہ اللہم ویکن لہ انک آمین　　(شیخ الحدیث مولانا) فدوی امین گل عفی عنہ صدر اساتذہ دار العلوم اسلامیہ عربیہ شیر گڑھ و خادم حدیث۔

○ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسلاف اور اکابرین کے مسلک کے مطابق ایوانِ حکومت میں کتاب و سنت کی بات کرنے کے لئے منتخب کرادیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ بزرگوارم! میں اس بات کا قائل ہوں۔ کہ اپنے حضرات ہر مقام پر ضرور ہونے چاہئیں مخالفت برائے مخالفت علماء حق کا شیوہ نہیں ہے۔ مسلم لیگی دور میں مرحوم حضرت مولانا احتشام الحق صاحبؒ سے اللہ تعالیٰ نے دین کا کتنا کام لیا۔ اسی طرح مفتی اعظم پاکستان قائد جمعیت مفتی محمود صاحب قدس سرہ کی وزارت کو دیکھئے

موجودہ حالات میں جب کہ بات کرنے کے لئے دوسرا کوئی سٹیج نہیں ہے تمام راستے اور دروازے بند ہیں۔ ایسے وقت میں سامنے بیٹھ کر ترکی بہ ترکی کتاب وسنت کی روشنی میں کلمہ حق کہہ دینا اور اس کا نشر ہو جانا بہت بڑی غنیمت ہے۔

ماضی کی تاریخ گواہ ہے کہ ہمارے مرحوم ومغفور دو بزرگ بابائے جمعیت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی اور قائد جمعیت حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے ون یونٹ اسمبلی اور قومی اسمبلی میں ایوب خانی دور میں تن تنہا خاندانی منصوبہ بندی اور دوسری خلاف اسلام باتوں پر دونوں جگہ عظیم فتح حاصل کی تھی۔ اب تو اللہ کے فضل سے آپ تینوں حضرات ہر لحاظ سے ہزاروں جہلا پر انشاء اللہ غالب رہیں گے۔ جب کہ دینی معاملات میں شوریٰ کے ممبران میں سے ایک اچھی تعداد آپ کی تائید کرے گی۔ موجودہ وقت میں سوائے اس کے دوسرا چارہ کار نہیں ہے۔

صدر صاحب بذات خود اسلام کے ساتھ اخلاص سے وابستگی رکھتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ان کی مشینری میں روایتی افسر شاہی بیورو کریٹ اور لارڈ میکالے کی روحانی اولاد اسی طرح گھسی ہوئی ہے جیسے کہ بابائے پاکستان محمد علی جناح کے وقت سے چلی آرہی ہے۔ آپ یک جہتی اور اولوالعزمی کے ساتھ پوری توجہ اور جرات سے اپنے اسلاف اکابرین کے طرز پر خوب محنت سے اس مظلوم اسلام کی وکالت اور ملک کے مظلوم عوام کی نمائندگی کریں۔ جو بیگاروں، بے دخلیوں اور طرح طرح کے پرائیویٹ ظالمانہ شخصی محصول کی چکی میں پس رہے ہیں۔ اللہ کی نصرت شامل حال ہوگی۔ (مولانا عبدالحکیم جامعہ فرقانیہ مدنیہ راولپنڈی)

ہم آپ کے وفاقی کونسل میں شمولیت پر اپنی طرف سے اور اپنے جمیع رفقاء مارتونگ کی طرف سے دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ نیز آپ نے جو پہلی قرارداد اسمبلی میں پیش کی اور اس کی تلخ و شیریں برداشت کئے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح آپ سے مزید کام دین اسلام کے لئے لیں۔ ہم تمام اہلیان مارتونگ دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ثابت قدمی عزم واستقلال اور دین اسلام کی خدمتوں سے مالا مال فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔ امید ہے آئندہ کے لئے آپ بغیر لومۃ لائم کے اسلام پر جان کی بازی لگائیں گے اور کسی سے مرعوب نہ ہوں گے۔

منجانب: مصباح الدجیٰ مولانا رشید احمد فرزند و دیگر عزیزان حضرت العلام مولانا مارتونگ

سب سے پہلی قرارداد اور سب سے اہم قرارداد پیش کرنے کی سعادت آپ کے حصے میں آئی۔ حق تو یہ ہے کہ آپ نے جلیل القدر باپ کی زندگی میں ہی ان کی نیابت کا حق ادا کر دیا۔ اور استحقاق ثابت کر دیا۔ جزاک اللہ

حافظ نذر احمد پرنسپل شبلی کالج لاہور

بلند ہمّت
جوانوں کی پسند
اُجالا ڈینِم
اور
صَدف شرٹنگ
مضبوط و دیرپا اُجالا واش اینڈ ویئر ڈینِم
خوشنما رنگوں میں لیجیے۔
صَدف شرٹنگ بہت سے پکے رنگوں میں
دستیاب ہے۔
زندہ دل جوانوں کا ذوقِ زیبائش،
آج جنکے دَم سے رونق اور چہل پہل ہے۔
MADE OF
Toray
TETORON
POLYESTER FIBER
محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
Asiatic

1-5-77

تعارف و تبصرہ کتب

★ مولانا عبدالقیوم حقانی

سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت | از حضرت مولانا محمد اشرف صاحب صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی

دو جلدوں میں ہیں۔ قیمت ۸۷ روپے۔ پتہ: سلیمان اکادمی (اشرف منزل) اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی

معالجۂ جسمانی کی طرح "معالجۂ روحانی" یا "طبِ قلب و ارواح" یا "فقہ باطن" (جس کا اصطلاحی نام "تصوف" قرآنی نام "تزکیہ" اور حدیثی نام "احسان" ہے) کے علوم بھی ہر دور میں تجدید و احیاء اور ارتقاء کے منازل سے برابر گذرتے رہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اس فن کے مجدد و مجتہد اور امام پیدا ہوتے رہے مثلاً حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت سید آدم بنوریؒ۔ حضرت سید احمد شہیدؒ۔ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور اس سلسلۃ الذہب کی آخری طلائی کڑی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ذات بابرکات تھی جنہوں نے اپنی مجتہدانہ صلاحیت سے اس فن کو سہل، عام، قابل عمل اور باعث کشش بنا دیا۔ تاہم ان کی علمی و اصطلاحی زبان سے جدید طبقہ کے لئے استفادہ زیادہ آسان نہ تھا۔ مگر فیاض ازل کی خاص رحمت و حکمت کا یہ کرشمہ تھا کہ ان کو آخری دور میں ایک ایسے شارح و ترجمان اور ذوق و مزاج کے رمز شناس ملے جنہوں نے ان کے عالی مضامین نکات و تحقیقات کو ایک نئی زبان اور علمی و ادبی پیرایۂ بیان میں ڈھال کر ہر ایک کے لئے قابل فہم و استفادہ بنا دیا۔

مگر حضرت سید صاحب کو اپنے شیخ کے بعد ایسا زمانہ حالات اور اسباب میسر نہ آسکے جس وہ کما حقہٗ اپنے شیخ کے علوم و معارف کی اشاعت کر سکتے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحب زید فیضہ کی صورت میں ان کے علوم و افادات کے شارح اور ان کے طریقۂ اصلاح و تربیت کی حامل شخصیت کا انتخاب فرمایا۔

جنہوں نے حضرت سید صاحبؒ کے خطوط، مجلس کے افادات اور تصنیفات کے منتخب مضامین سے "شاہراہِ معرفت" کی نشاندہی فرمائی۔ مولانا اشرف خان صاحب حضرت سید صاحبؒ کے خاص مسترشد اور سلوک سلیمانی کے بہت بڑے وارث ہیں۔

کتاب کی عظمت اور افادیت کے پیش نظر حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحئی صاحب مدظلہ کے مکتوب کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے جو انہوں نے کتاب کے فاضل مصنف کے نام لکھا ہے۔

"میرا ایسا خیال ہے کہ اس موضوع "تصوف و سلوک" پر یہ کتاب بالکل منفرد ہے اور کلاسیک کا درجہ رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ اس موضوع پر سیر حاصل ذخیرہ جمع کر دیا ہے جو ہر طرح مستند بھی ہے اور نافع بھی۔ اللہ تعالیٰ پڑھنے والوں کو نفع باطنی سے بہرہ اندوز فرمائیں اور آپ کو دارین میں اپنی رضائے کاملہ اور جزائے وافر عطا فرمائیں۔ (مولانا اخوندزادہ عبدالقیوم حقانی)

شفیق فاروقی

شیخ الحدیث مولانا زکریا کی تعزیت اور ختم بخاری شریف

۲ر شعبان ۱۴۰۲ھ کو بعد از نماز عصر جامع مسجد دارالعلوم میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے ختم بخاری شریف کی تقریب میں فارغ التحصیل طلبہ کو قیمتی نصائح سے نوازا۔ اور نہایت اہم ہدایات اور مشوروں سے نوازا۔ تقریر کے آغاز میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ العزیز کے سانحہ ارتحال پر تعزیتی خطاب فرمایا اور مرحوم کے رفع درجات کی دعائیں کی گئیں۔ نماز عصر سے پہلے قبل تمام طلبہ نے قرآن مجید ختم کر کے حضرت مرحوم کو ایصال ثواب کیا۔ ختم بخاری شریف کا بھی حضرت قدس سرہ اور دیگر مشائخ کے لئے ایصال ثواب کیا گیا۔ دارالعلوم میں حضرت شیخ الحدیث مہاجر مدنی کی وفات کی اطلاع شدید رنج و غم سے سنی گئی۔ بقیۃ السلف اور خادم حدیث نبوی کی جدائی سے ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ اور جناب مدیر الحق کی طرف سے پاک و ہند میں حضرت قدس سرہ کے قریبی حضرات علم و فضل کو تعزیتی خطوط بھیجے گئے۔

امتحانات سالانہ

دارالعلوم کے سالانہ امتحانات ۱۲ شعبان کو بخیر و خوبی انجام پذیر ہوئے۔ امتحانات تقریباً دو ہفتے جاری رہے۔ دورہ حدیث اور شعبہ حفظ و تجوید کے امتحانات وفاق المدارس نے لئے۔ جن کی طرف سے مولانا مجاہد خان الحسینی فاضل دیوبند معہ رفقا نگران تھے۔ دیگر کتابوں کے امتحان مدرسہ کے اساتذہ نے تقریری اور تحریری لیا۔ اب دارالعلوم میں رمضان کی تعطیل ہیں۔ مگر کتب خانہ، الحق، دارالافتاء وغیرہ شعبے بدستور مصروف عمل ہیں۔

وفیات

۱۲ر مئی بروز بدھ سرحد کے ایک ممتاز مخلص بزرگ مولانا میاں محمد جان صاحب مرحوم بانی مدرسہ حمایت الاسلام خلجی کنڈر خیل پشاور کا وصال ہوا۔ جو ایک مثالی صاحب زہد و تقویٰ نمونہ سلف بزرگ تھے۔ نماز جنازہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے پڑھایا۔ اس موقعہ پر تعزیتی خطاب بھی فرمایا۔ دارالعلوم کے بہت سے اساتذہ و طلبہ نے بھی شرکت کی۔

حضرت شیخ الحدیث کو صدمہ

۰ر جون کو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے سگے ماموں جناب مولانا امیر اللہ خان صاحب

کا انتقال ہوا۔ چند دن کی علالت کے بعد مردان کے سنٹرل ہسپتال میں صبح ۸ بجے وصال ہوا۔ تجہیز و تکفین ان کے گاؤں جہانگیر آباد نزد کلپانی اسٹیشن تحصیل مردان میں ہوئی۔ جو حضرت شیخ مدظلہ، کا ننھیال ہے۔ جنازہ حضرت مدظلہ نے پڑھایا۔ اور تمام اعزہ و اقارب نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ مرحوم کے پسماندگان میں دو بیٹے جناب نصراللہ خان جناب محمد سراج ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو درجات عالیہ سے نوازے۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اسفار ۱۲ رجب ۱۴۰۲ھ کو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے مولانا حبیب اللہ جان فاضل حقانیہ کی دعوت پر تنگی تحصیل چارسدہ کا سفر کیا۔ اور وہاں کے دینی مدرسہ کے درس قرآن کا اختتام فرمایا۔ اس موقع پر بڑی تعداد میں علماء و متعلقین اور عام مسلمان موجود تھے۔

تقریب سے مولانا سمیع الحق صاحب نے بھی فضیلت علم پر خطاب فرمایا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے شام کو واپسی میں مدرسہ تعلیم القرآن عمرزئی کے قاضی فضل معان قاضی فضل دیان فضلائے حقانیہ کے دولت کدہ پر بھی تھوڑی دیر قیام کیا۔ دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ کے فضلاء حقانی مولانا گوہر شاہ صاحب وغیرہ کی خواہش پر چند لمحے ان کے ہاں بھی ٹھہرے۔ اور ترنگ زئی میں حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ کے مکان پر ان کی عیادت بھی فرمائی۔ جو ایک عرصہ سے صاحب فراش ہیں۔

۲۸ مئی۔ جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی کے تقسیم اسناد کی تقریب میں جناب قاری سعید الرحمان کی دعوت پر شرکت فرمائی۔ اور حفظ قرآن کی فضیلت پر خطاب فرمایا۔ اس تقریب میں مرکزی وزیر اطلاعات راجہ ظفر الحق صاحب بھی شریک تھے۔ خطبہ جمعہ سے قبل مولانا سمیع الحق نے تقریباً ایک گھنٹہ خطاب فرمایا۔
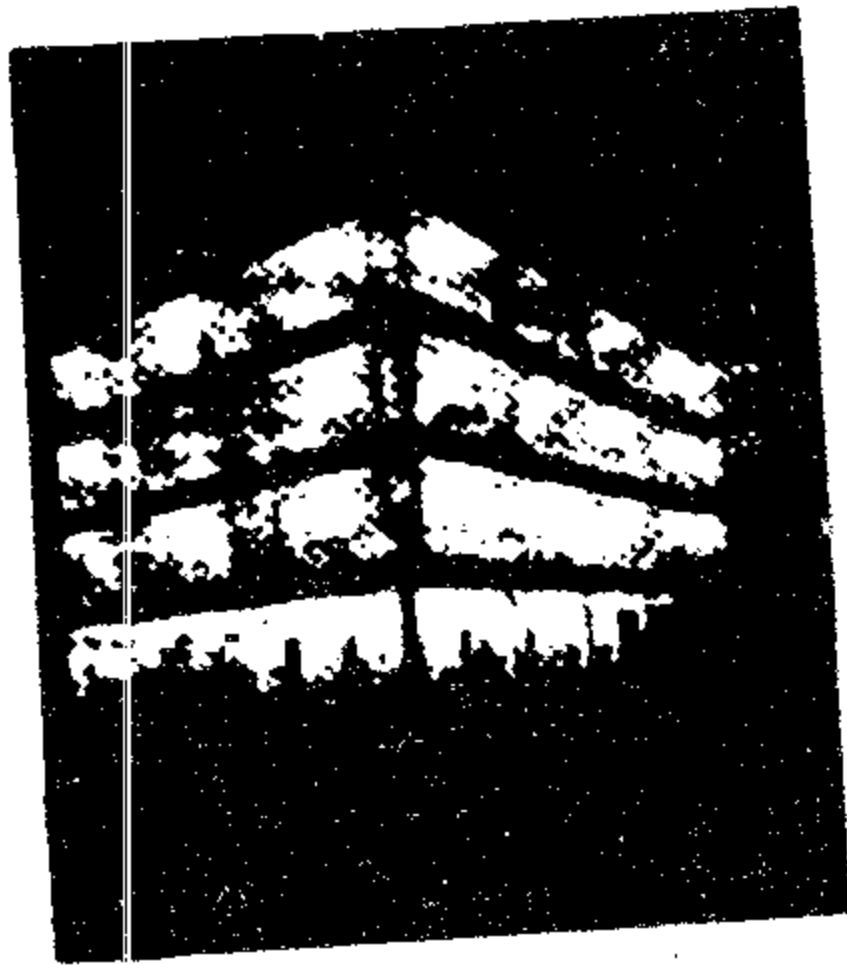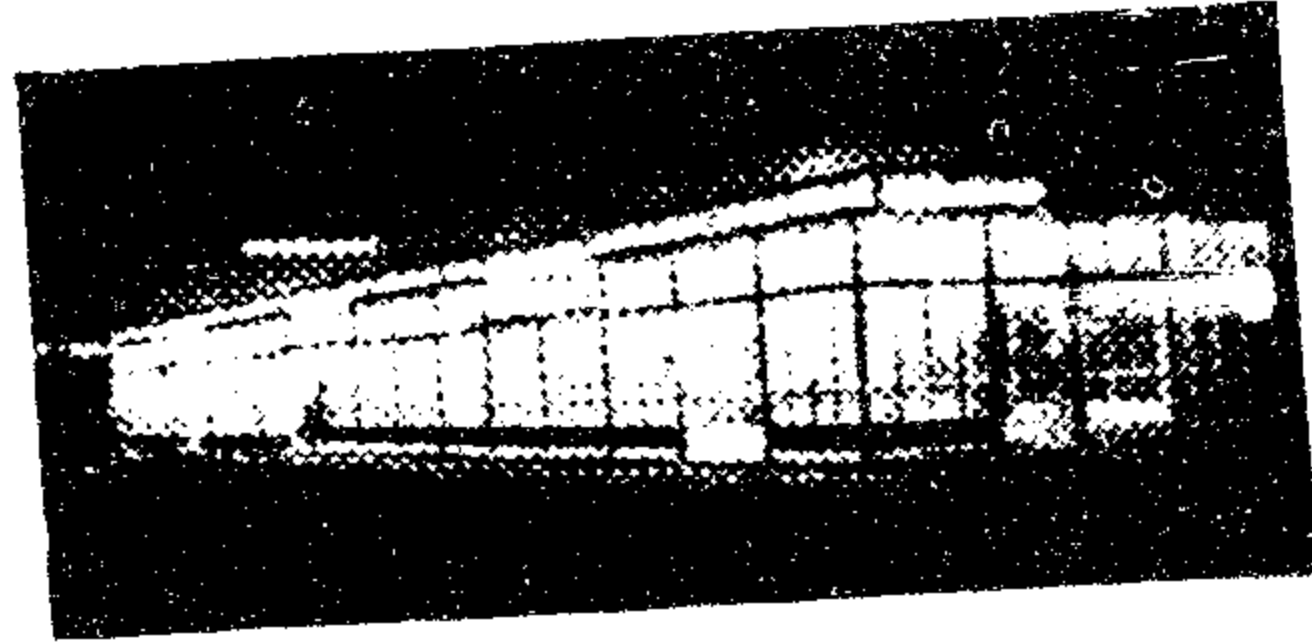
دفتر ہو، یا فیکٹری
دوکان ہو، یا گھر
شیشہ
خواجے کا
KGI
خواجہ گلاس انڈسٹریز لمیٹڈ
شاہراہِ پاکستان ـــــــ حسن ابدال
فیکٹری آفس: ۴۳، ای بلاک، صدر راولپنڈی
رجسٹرڈ آفس: ۲-ایبٹ روڈ، لاہور